عنوان	آئی لوسٹ ایو ریتھینک (سیزن ٹو)
لکھاری	ایم فرہان
پلیٹ فارم	ناول ہی ناول "اور" آن لائن ویب چینل
پبلیشر	ناول ہی ناول "اور" آن لائن ویب چینل
ویب سائیٹ	NovelHiNovel.Com & OnlineWebChannel.Com
واٹس ایپ	+923155734959
جی میل	NovelHiNovel@Gmail.Com **OnlineWebChannel @Gmail.Com**

انتباہ !

یہ ناول "ناول ہی ناول" اور "آن لائن ویب چینل" کی ویب سائٹ نے لکھاری کی فرمائش پر آپ سب کے لیے پیش کیا ہے۔

اس ناول کا سارا کریڈٹ رائٹر کو جاتا ہے۔اس ناول میں غلطیاں بھی ممکن ہیں کیونکہ انسان خطا کا پتلا ہے تو اس ناول کی غلطیوں کی زمہ دار ویب نہیں ہو گی صرف اور صرف رائٹر ہی ہو گا ویب نے صرف اسے بہتر انداز سے سنوار کر آپ سب کے سامنے پیش کیا ہے۔اس ناول کو پڑھیے اور اس پر تبصرہ کر کے رائٹر کی حوصلہ افزائی کیجیے۔

اپنے ناولوں کا پی ڈی ایف بنوانے کے لیے واٹس ایپ پر رابطہ کریں

+923155734959

اس ناول کے تمام رائٹس "ناول ہی ناول"، " آن لائن ویب چینل "اور لکھاری کے پاس محفوظ ہیں۔ لکھاری یا ادارے کی اجازت کے بغیر ناول کاپی کرنا یا کسی حصہ کو شائع کرنا قانوناً جُرم ہے،

Novel Hi Novel & Online Web Channel

السلام علیکم !

ناول ہی ناول" اور "آن لائن ویب چینل آپ کے لیے لایا ایک سنہری موقع

اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ اپنے قلم کی آواز کو لوگوں تک پہچانا چاہتے ہیں، تو اپنی لکھی گئی کوئی بھی تحریر (حمد، نعت، ناول، افسانہ، آرٹیکل، ریسیپی، نظم، غزل، اقوال) یا جو بھی آپ کے ذہن میں ہو اور آپ لکھنا چاہتے ہیں، ہم تک پہچائیں۔ ناول ہی ناول" اور "آن لائن ویب چینل بنے گا وہ سیڑھی جو آپ کو آپ کی پسندیدہ ویب سائیٹ تک پہنچانے کا ذریعہ بنے گا۔ اگر آپ اپنی تحریریں ناول ہی ناول" اور "آن لائن ویب چینل کی ویب سائیٹ میں دینا چاہتے ہیں تو رابطہ کریں۔ ناول ہی ناول" اور "آن لائن ویب چینل آپ کو آپ کے عین مطابق پلیٹ فارم مہیا کر رہا ہے تو جلدی سے قلم اٹھائیں اور لکھ ڈالیں جو آپ کے ذہن میں مرکوز ہے۔ شکریہ !

اپنی تحریریں ہمیں اس پتہ پر ارسال کریں۔

NovelHiNovel.Com & OnlineWebChannel.Com

NovelHiNovel & OWC Official

NovelHiNovel@Gmail.Com

OnlineWebChannel @Gmail.Com

03155734959

آئی لوسٹ ایور یتھینک

(سیزن ٹو)

ایم فرہان کے قلم سے

این ایچ این اور او ڈبلیو سی پبلیشرز

شام جنگل پر اپنا سایہ ڈال رہی تھی۔ سورج کی سنہری کرنیں گھنے درختوں کے پتوں سے چھن کر چٹان پر ہلکی سی روشنی بکھیر رہی تھیں، جہاں انوشہ، زوہیب، اور عادل اپنا پڑاؤ ڈالے بیٹھے تھے۔ ہوا میں جنگلی پھولوں کی مہک اور آگ کی چٹخنیوں کی آواز گھل رہی تھی۔ پرندوں کی چہچہاہٹ اب دھیمی ہو چکی تھی، اور جنگل کی خاموشی ایک پراسرار چادر کی طرح چھا رہی تھی۔

انوشہ اور زوہیب چٹان کے ایک سرے پر بیٹھے گپ شپ لگا رہے تھے۔ انوشہ کے ہاتھ میں ایک چھوٹی سی ٹہنی تھی، جس سے وہ زمین پر بے ترتیبی سے لکیریں کھینچ رہی تھی۔ اس کی ہنسی کبھی کبھار جنگل میں گونجتی، جیسے کوئی ننھا سا موتی زمین پر گر کر چھن سے بج اٹھے۔

زوہیب اسے ایک پرانی کہانی سنا رہا تھا۔ ''یاد ہے، انوشہ؟ وہ دن جب تو نے ماں کی چادر چوری کی تھی کیونکہ تو کہتی تھی کہ چاند اس میں چھپ جائے گا؟'' زوہیب نے ہنستے ہوئے اس پے طنز کیا، اس کی آواز میں بچپن کی شرارت جھلک رہی تھی۔

انوشہ نے آنکھیں سکیڑیں اور اسے ہلکا سا دھکا دیا۔ ''ہاں، اور تو نے آنٹی کو بتا دیا تھا، بے وفا! پھر میں نے ساری رات روتے ہوئے گزاری تھی کیونکہ آنٹی نے کہا کہ چاند اب کبھی

نہیں آئے گا۔ ''زوہیب نے قہقہہ لگایا۔ ''ارے، میں نے تو بس مذاق کیا تھا۔ پر تو بتا، اب کیا، چاند کو پکڑ لیا یا اب بھی وہی خواب دیکھتی ہے؟

''انوشہ نے سر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا، جہاں ہلکی سی سرخی کے درمیان پہلے ستارے جھلملا رہے تھے۔ اس کی آواز نرم ہو گئی۔

'' چاند تو نہیں ملا، پر میں ابھی بھی کوشش کر رہیں ہوں، پتا ہے ابو نے ایک بات بتائی تھی، مجھے،،

زوہیب، (مسکراتے ہوئے)

کونسی بات،،

انوشہ (چہرے پر تھوڑا ناراضگی اور جلن کو واضح کرتے مسکرائی)

ابو نے مجھ سے ایک بات کہی تھی، وہ جب گھر سے جا رہا تھا جنگ پر، تو وہ آخری بار ملا،، اس نے بولا،

کہ انوشہ میں تمہیں ایک راز بتا کہ جا رہا ہوں،

ابو نے کہا، "انوشہ، تمھاری ایک بہن تھی، جو تم سے زیادہ خوبصورت تھی۔۔۔"

"کیا؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں، تم دونوں جڑواں تھیں۔ایک تم، جو اپنی ماں جیسی لگتی تھی، اور دوسری...

زنیرہ۔"

تو میں نے پوچھا کہ اس کے ساتھ کیا ہوا،

ابو نے کہا،

کنزہ خوش نہیں تھی، اس کی طبیعت بھی خراب ہوتی جا رہی تھی، اس نے کہا، کہ انوشہ مجھے دو اور دوسری بیٹی اس کی ایک دوست تھی، اس کو دے دو،،

ابو نے بتایا کہ میں نے بہت منتیں کی مگر وہ مجھ سے روٹھ کہ جانے لگی, تب میں نے اس کی دوست کو وہ بیٹی دے دی، جس کا نام میں نے زنیرہ رکھا تھا،، اور اس کے گلے میں بھی وہی لاکیٹ تھا جو میرے گلے میں بندھا ہے

وہ اپنے سفر کہ لیے آگے نکل گئے، مگر ہم سلطان کہ لیے یہی رکے تھے،

پر ابو نے کہا کہ وہ جو آگے سفر کہ لیے گئے تھے،، ان سب پے حملہ ہوا، جس میں سب مر چکے تھے،

انوشہ کی آنکھ میں نمی چمکی،

ابو روتے ہوئے بولا کہ ،اور وہ میری زنیرہ بھی شاید ان کے ساتھ مر گئی تھی، میں نے وہاں اسے ڈھونڈا تو پتا چلا کے وہ مری نہیں تھی کیونکہ وہاں اس لاش نہیں ملی،

زوہیب، نرمی سے بولا

توانوشہ اس میں رونے کی کیا بات ہے،، وہ تو بہت پرانی یاد ہے،، اب اپنے چہرے کو خراب مت کرو،،

ورنہ نیند نہیں آئے گی۔۔

انوشہ (منہ بنا کر،)

رونے کی بات یہ تھی کہ میری بہن کے مرنے کا سن کے میری ماں کو کوئی فرق نہیں پڑا تھا،، اور تم کو نیند کیوں نہیں آئے گی،، انوشہ اپنی بات ختم کر کے زوہیب کی طرف مڑی،

" عادل ان سے کچھ فاصلے پر، چٹان کے دوسرے کنارے پر اکیلا بیٹھا تھا۔ وہ اس کی ساری بات سن رہا تھا، اس کا بیگ اس کے پاس رکھا تھا، اور اس کے ہاتھ میں ایک چھوٹا سا پتھر تھا، جسے وہ بار بار ہتھیلی میں گھما رہا تھا۔ اس کی آنکھیں انوشہ اور زوہیب پر ٹھہریں، لیکن اس کا چہرہ ایک پتھر کی مانند خاموش تھا۔ اس کے دل میں ایک طوفان اٹھ رہا تھا——

ایک ایسی تنہائی جو اسے ہر لمحے کھا رہی تھی۔ میں ان کا حصہ کبھی نہیں بن سکتا، اس نے سوچا۔

زوہیب بھائی ہے میرا، سلطان کا چہیتا بیٹا ہے۔ اور میں؟ میں تو بس... ایک سایہ ہوں ایک محافظ۔ عادل نہیں جانتا تھا، کہ وہ سلطان کا ناجائز بیٹا تھا، اس نے اپنے باپ کی سختی سہہ سہہ کر یہاں پہنچا تھا، لیکن اس کی تنہائی اس راز کو ہر لمحے چھو رہی تھی۔ انوشہ کی ہنسی اس کے لیے ایک میٹھا زہر تھی—وہ اس سے محبت کرتا تھا، لیکن اسے چھونے کی ہمت نہیں کر سکتا تھا۔ زوہیب سے حسد نہیں کرتا تھا، پر ان دونوں کی قربت اس کے دل میں ایک خالی پن چھوڑ جاتی تھی۔ وہ الظاہر کا بھروسہ مند تھا، جنگل کا سورما تھا، لیکن اس لمحے وہ بس ایک تنہا دل تھا، جو انوشہ کی ہر ہنسی میں اپنی داستاں ڈھونڈ رہا تھا۔

عادل نے کچھ دیر پہلے خرگوشوں کا شکار کیا تھا۔ وہ خاموشی سے اٹھا، خرگوشوں کو آگ پر بھونا، اور واپس اپنی جگہ بیٹھ گیا۔ اس نے ایک لفظ نہیں کہا، جیسے اس کی آواز جنگل کی اس رات کے لیے بیکار ہو۔ انوشہ اور زوہیب کی باتیں جاری تھیں، لیکن عادل ان سے دور، اپنی خاموشیوں میں گم تھا۔ اس نے سوچا، اگر میں ان کو چھوڑ چلا جاؤں؟ الظاہر کے پاس واپس جاؤں؟

ویسے بھی ان کو میری ضرورت نہیں ہے،،

پر دل کہتا ہے کہ انوشہ کے بغیر یہ جنگل... یہ زندگی... کچھ بھی نہیں۔اچانک،انوشہ کی آواز نے خاموشی توڑی۔وہ زوہیب سے ہنستے ہوئے اٹھی اور عادل کی طرف مڑی،اس کی آواز میں ایک ہلکی سی شرارت تھی۔مگر صرف زوہیب تک عادل کے پاس آتے وہ شرارت سنجیدگی میں بدل گئی،

"عادل،مجھے تمھارا گٹار چاہیے،

اس نے رعب جھاڑا۔

"عادل ایک لمحے کے لیے چونکا۔اس نے انوشہ کی طرف دیکھا—اس کے بال ہوا میں لہرا رہے تھے،اور اس کی آنکھوں میں ستاروں کی سی چمک تھی۔اس کا دل زور سے دھڑکا،جیسے کوئی پرانا خواب جاگ اٹھا ہو۔عادل کچھ دیر گھورنے کہ بعد خاموشی سے اٹھا، اپنے بیگ کے پاس گیا،اور گٹار اٹھا کر اسے دیا۔اس کا ہاتھ انوشہ کے ہاتھ سے ہلکا سا ٹکرایا، اور اس کے جسم میں ایک کرنٹ سا دوڑ گیا۔کاش یہ لمحہ رک جائے،اس نے سوچا،لیکن وہ کچھ نہ بولا۔انوشہ نے گٹار لیا اور زوہیب کے پاس واپس چلی گئی،جیسے عادل کی خاموشی اس کے لیے کوئی معنی نہ رکھتی ہو۔

عادل واپس اپنی جگہ پر جا کر بیٹھ گیا، وہ اپنی پیٹھ کو چٹان سے ٹیک لگاتے بیٹھا۔

انوشہ نے گٹار کے تار چھوئے، اور چند لمحوں بعد جنگل میں ایک سریلی آواز گونجنے لگی۔ وہ گانا گانے لگی—اس کی آواز ایسی تھی، جیسے کوئی ندی اپنی کہانی سنا رہی ہو، ہر لفظ دل کے تاروں کو چھو رہا تھا۔

عادل اس کی آواز کو انجوئے کر رہا تھا، مگر پھر وہ لائنیں آئیں جو اس کے حال کو بیاں کر رہی تھی،،

" کیوں یوں سہتے سہتے، دل کو غم کھا چکا میر جان"

"کیوں یوں رہتے رہتے، دیکھے نا کوئی دیشا"

"جو تو نہیں تو ایسا میں چہرا،

"کہ جس کی خوبصورتی ماند پڑی ہو،

"ایسا میں دریا، جو بہنا نا چاہے

"عادل کی آنکھیں بند ہو گئیں۔انوشہ کی آواز اس کے دل میں اترتی چلی گئی، جیسے کوئی پرانا زخم ہلکے سے کھل کر سکون مانگ رہا ہو۔وہ اس آواز میں کھو گیا۔اسے اپنی ماں کی یاد آئی——وہ عورت جس نے اسے بچپن میں تنہا چھوڑ گئی تھی۔اسے سلطان کی وہ خاموش نظریں یاد آئیں، جو ہمیشہ زوہیب کے لیے پر جوش اور اس کے لیے سرد تھیں۔

میں کون ہوں؟، میں کیوں ہوں، مجھے کچھ میسر کیوں نہیں، اس نے سوچا۔نہ زوہیب جیسا بیٹا، نہ انوشہ کا حق دار۔بس ایک بے جان...بس ایک خاندان کا رکھوالا،

۔انوشہ کا گانا جاری تھا۔زوہیب مسکراتے ہوئے اسے دیکھ رہا تھا، کبھی کبھار اس کے ساتھ خود بھی گانے لگتا۔لیکن عادل کی دنیا اس آواز میں سمیٹ گئی تھی۔اس کے ہاتھ میں پتھر گر گیا، اور اس کی مُٹھی بند ہو گئی، جیسے وہ اپنے دل کے طوفان کو روکنے کی کوشش کر رہا ہو۔انوشہ، کاش تو جانتی کہ تیری یہ آواز میری روح کا واحد سہارا ہے۔پر تو تو بس زوہیب کی ہے میری شکل تک تجھے پسند نہیں...میرے وجود تک سے تجھے نفرت ہے،

اس نے اپنی مُٹھی بند کی، اس بار یے غصے سے بند کی تھی،

آگ کی چٹخنیں اور انوشہ کی آواز جنگل میں گونج رہی تھیں۔عادل اسی آواز میں کہیں کھو کر سو گیا، اس کا چہرہ سکون سے بھرا تھا، لیکن اس کی بند مٹھی اس کے اندر کے طوفان کی

گواہ تھی۔انوشہ نے گانا ختم کیا،اور جنگل کی خاموشی دوبارہ چھا گئی۔زوہیب نے انوشہ کی طرف دیکھا اور ہنستے ہوئے کہا،"واہ آج پہلی بار جنگل میں گا کر مزہ ہی آ گیا،!

"انوشہ نے ہنسی کے ساتھ اس کو جواب دیا۔

"ہاں مزہ تو آیا ہے۔" اس نے عادل کی طرف دیکھا،جو سو چکا تھا۔اس کی آواز دھیمی ہو گئی۔

"زوہیب تمھارہ بھائی اتنا کھڑوس کیوں ہے؟۔"زوہیب نے کندھے اچکائے۔"پتا نہیں۔چھوڑو اسے،شاید...اسے ہم پر بھروسہ نہیں۔"انوشہ خاموش ہو گئی۔اس نے گٹار کو سینے سے لگایا،۔اور سونے کہ لیے لیٹ گئی،جنگل کی رات گہری ہوتی چلی گئی۔آگ کی روشنی چٹان پر ناچ رہی تھی،

صبح جنگل کو اپنی نرم چادر میں لپیٹ رہی تھی۔آسمان پر گہرے بادل چھائے تھے،جیسے سورج نے آج چھٹی لے لی ہو۔ہوا میں ٹھنڈک تھی،اور جنگل کی ہریالی سے اٹھتی مٹی کی

سوندھی خوشبو فضا میں گھل رہی تھی۔ایک طرف ندی کی ہلکی سی آواز گونج رہی تھی،
جیسے وہ اپنی کوئی پرانی کہانی سنا رہی ہو۔آریا،اپنے جھونپڑی کے قریب کھڑی آسمان کی
طرف دیکھ رہی تھی۔وہاں، بادل کے پردوں کے درمیان،ایک تنہا ستارہ اب بھی ٹمٹما رہا
تھا، جیسے رات کی آخری سانس لے رہا ہو۔آریا،نے اپنے ہاتھ بالٹی میں ڈبوئے، جہاں
رات کا جمع کیا پانی ٹھنڈا پڑ چکا تھا۔اس نے وضو کیا،
اپنا مصلّٰی بچھایا،اور فجر کی نماز ادا کی۔نماز کے بعد وہ کافی دیر تک مصلّٰی پر بیٹھی رہی،
اس کا سر جھکا ہوا تھا، جیسے وہ اپنے دل کے راز خدا سے شیئر کر رہی ہو۔اس کی آنکھوں میں
ایک گہری تنہائی تھی،
لیکن اس کے چہرے پر ایک عجیب سا سکون بھی تھا۔
۔اسی لمحے،ہیر،اس کے کمرے باہر میں آئی۔اس کے بال بکھرے ہوئے تھے،اور اس کی
آنکھیں نیند سے بوجھل، لیکن اس کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔
اس نے آریا سے پوچھا کہ اس نے نماز پڑھ لی ہے تو آریا چونکی،اور ہیر کی طرف دیکھا، پھر
اشارہ کرتے بولی کہ ،وضو کر کے ائو اور یہاں نماز پڑھو،آریا نے مصلے کو سہی کرتے اشارہ
کیا،

اس نے پھر قرآن شریف اٹھایا،اسے چوم کر پیشانی سے لگایا،اور تلاوت شروع کی۔وہ رحمان صورت کی تلاوت کرنے لگی مگر وہ دل میں تلاوت کر رہی تھی، جیسے وہ اپنی روح کے زخموں کو سہلا رہی ہو،

آریا نے ہیر کو آتے دیکھا تو مصلے کی طرف اشارہ کیا،،ہیر بھی چپ چاپ نماز کے لیے کھڑی ہو گئی،

نماز پڑھنے کے بعد وہ آریا کے پاس بیٹھ گئی،،

"،اپ صبح صبح اتنی سنجیدہ کیوں ہے؟کوئی،

کچھ مانگتی بھی ہو خدا سے،

یا بس خدا سے شکایتیں کرتی ہو؟" آریا،نے جواب میں بس ہلکی سی مسکراہٹ دی اور تلاوت جاری رکھی۔ہیرا،اس کے پاس بیٹھ گئی، لیکن اس کی نظریں آریا،کے چہرے پر ٹھہریں، جیسے وہ اس کی خاموشی کے پیچھے چھپا راز پڑھنے کی کوشش کر رہی ہو،اس نے ابھی بھی چہرہ کیوں چھپایا ہے،،وہ بات ہیر کو ہضم نہیں ہو رہی تھی،

۔کچھ دیر بعد،

سب جاگ چکے تھے۔ عرفان، نے صبح سویرے ہی گھر کے باہر کرسیاں سجائیں اور ساد، کے ساتھ بیٹھ گیا۔ ہیرا، بھی ان کے پاس جا کر بیٹھ گئی، اپنے ہاتھوں میں ایک پرانا رومال پکڑے کچھ شرارتی انداز میں اسے گھما رہی تھی۔ عرفان، کی شرارتیں شروع ہو چکی تھیں۔ وہ ساد، سے باتیں کرتے ہوئے ہنس رہا تھا، جبکہ ساد، کی نظریں گھر کے اندر جاتی تھیں، جہاں سے آریا، دیکھ رہی تھی۔ آریا، ہاتھوں میں چائے کے مگ لیے باہر نکلی۔ اس نے خاموشی سے سب کو چائے دی—پہلے ہیر، کو، پھر عرفان، کو، اور آخر میں ساد، کو۔ ساد، نے چائے لیتے ہوئے اس کی طرف دیکھا،

لیکن آریا، نے اپنا چہرہ دوپٹے سے چھپا رکھا تھا۔ سادہ، کے دل میں ایک عجیب سی بے چینی اٹھی۔ یہ لڑکی اپنا چہرہ کیوں چھپاتی ہے؟ اس کی خاموشی... جیسے کوئی راز ہو۔ اس نے چائے کی چسکی لی، لیکن اس کی نظریں آریا، پر ٹھہریں، جو اب اپنی چائے اور کرسی لے کر پہاڑی کی ڈھلان کے کنارے بیٹھ گئی تھی۔ آریا، کو اس جگہ سے دور کا نظارہ دکھائی دیتا تھا—ہرے بھرے جنگل، ندی کا کنارا، اور ایک پرانا گھر، جس کے گرد گھاس، درخت، اور جنگلی پودوں نے قبضہ جما رکھا تھا۔ وہ گھر جیسے کوئی پرانی یاد ہو، جو وقت کے ساتھ دھندلا گیا ہو۔ کبھی انسان اپنی زندگی اسی گھر میں گذاری ہو گی۔

آریا، کی نظریں اس گھر پر ٹھہریں، اور اس کے لبوں سے وہ الفاظ نکلے، جیسے وہ اپنے دل کی بات جنگل سے کہہ رہی ہو:

"بہ شکلِ رنگ و گل، پر حقیقت میں خار ہے دنیا"
"ایک پل میں اِدھر سے ہے اُدھر، چار دِن بہار ہے دنیا"
"زندگی نام رکھ دیا کس نے، موت کا انتظار ہے دنیا"

اس کی آواز میں ایک درد تھا، جیسے وہ اپنی تنہائی کو الفاظ کا روپ دے رہی ہو۔

ساد نے چائے کی چسکی لیتے ہوئے عرفان کو دیکھا اور اچانک پوچھا،
"تم نے لڑنا کہاں سے سیکھا؟" عرفان،، جو آریا، کی طرف دیکھ رہا تھا، ساد، کی بات سن کر ہنس پڑا۔
"ابو نے سکھایا، پھر باقی میری بھائی نے۔
ہمارے گاؤں میں تو لڑائی جیسے کھیل تھا۔

”اس نے سیٹھی لیتے ہوئے کہا،

“ ایک بار ہمارے گاؤں کے موچی نے میرے بھائی کو چیلنج کیا کہ وہ اسے پکڑ کے دیکھائے،

۔بھائی نے اسے گلی میں دس منٹ تک بھگایا،اور آخر میں موچی ایک کھڈے میں گر گیا۔ سارا گاؤں ہنستا رہا!” عرفان،نے ہنستے ہوئے اپنا سر ہلایا۔

“ پھر موچی ہمیں دیکھ کر سلام کرتا تھا، پر ہم اسے ‘کھڈے کا بادشاہ’ کہتے تھے!

”ہیر،نے قہقہہ لگایا،اور ساد،کے چہرے پر بھی ہلکی سی مسکراہٹ آئی۔ عرفان،نے ایک اور قصہ شروع کیا۔“اور ایک بار ہمارے گاؤں میں ایک چور آیا،سوچا ہمارے گھر سے مرغیاں چوری کرے گا۔ہمارے کتے نے اسے رات بھر درخت پر چڑھائے رکھا۔ صبح گاؤں والوں نے اسے پکڑا تو وہ بولا،‘میں تو بس مرغیوں سے ملنے آیا تھا!”” عرفان، نے ہنستے ہوئے اپنی ران پر ہاتھ مارا۔“اب وہ چور ہمارے گاؤں میں سبزی بیچتا ہے،اور ہر بار کہتا ہے،‘مرغیوں سے دور رہو’!

"ہیر، ہنستے ہوئے تقریباً کرسی سے گر گئی، اور ساد، نے بھی ہنس کر سر ہلایا۔ آریا، جو دور بیٹھی سن رہی تھی، اس کے ہونٹوں پر ایک ہلکی سی مسکراہٹ آئی، لیکن اس کی نظریں اب بھی اس پرانے گھر پر جمی تھیں۔ ساد نے آریا، کی طرف اشارہ کرتے ہوئے عرفان، سے پوچھا،

" اور اسے کس نے سکھایا لڑنا؟" عرفان، نے مسکراتے ہوئے کہا، "دوست، مجھے نہیں پتا۔

پر یہ لڑکی مجھ سے زیادہ تیز ہے۔ ظالم ہے یہ! چاقو پھینکتی ہے تو جیسے ہوا سے بات کرتی ہو۔" اس نے سینہ تان کر کہا، "پر میں چاہوں تو اسے ہرا سکتا ہوں، بس موقع نہیں ملا!" سادہ، نے ہنستے ہوئے کہا، "ہاں ہاں، وہ تو کل سے دیکھ رہا ہوں۔

تیری ہمت تو بنتی نہیں اس کے سامنے!

"ہیر، نے بھی ہنسی کے ساتھ عرفان، کی طرف دیکھا۔ "ارے، دوست،، تو بس باتیں مار۔ وہ ایک چھری سے تیرا سارا غرور نکال دے گی!" عرفان، نے ہاتھ اٹھا کر ہار مان لی۔ "اچھا بابا، مان لیا! پر تم لوگ بھی تو کچھ کر لو، بس چائے پیو اور مجھ پر ہنستے رہو!" سب ہنس پڑے، لیکن ساد، کی نظریں دوبارہ آریا، پر چلی گئیں۔ اس کے دل میں ایک

عجیب سی بے چینی تھی۔ یہ لڑکی...اس کی خاموشی... جیسے کوئی پرانا زخم ہو۔ کچھ دیر باتیں کرنے کے بعد،

سادا، نے کہا،

"ہمیں اب نکلنا چاہیے۔ گھر واپس جانا ہے۔"

عرفان، نے فوراً کہا، "ارے، فکر نہ کر۔ میں تمہیں جیب پر آگے چھوڑ آؤں گا۔

"اس نے زور سے آریا، کو آواز دی، "سُنو! میں ان کو چھوڑ کر آتا ہوں!" آریا، نے ایک لمحے کے لیے عرفان، کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں ایک ہلکی سی جھنجھلاہٹ تھی، جیسے وہ سوچ رہی ہو، جن لوگوں نے مجھے اپنا نہیں سمجھا، جن لوگوں نے مجھے تنہا کر دیا، جن لوگوں نے مجھ سے میرا سب کچھ چھینا، ان کے لیے میں اپنی جیب کیوں دوں؟، اس نے غصے سے مٹھیاں بند کی، پر عرفان، کی بے فکری بھری مسکراہٹ دیکھ کر اس نے ہلکی سی ہامی بھری اور سر ہلایا۔ وہ دوبارہ اپنی چائے کی طرف متوجہ ہوئی، لیکن اس کے دل میں ایک طوفان اٹھ رہا تھا۔ یہ لوگ... یہ رشتے... سب ایک خواب ہیں۔ پر عرفان،...

۔جنگل کی صبح اپنی جگہ پر ٹھہری تھی۔آگ کی راکھ اب دھیمی ہو چکی تھی، لیکن آریا، کی تنہائی اس صبح کے سکون میں ایک خاموش کہانی بن کر رہ گئی۔

وہ کچھ دیر بیٹھی رہی، پھر اٹھی اور اپنی تلوار اٹھا کر پریکٹس کرنے لگی،،اس کا ارادہ آج ریمشہ سے ملنے کا تھا،،وہ آج راج کے قبیلے جانے کا سوچ رہی تھی،وہ ایک ہفتے سے وہاں نہیں گئی تھی،

ایک عالیشان لیکن سرد محل جنگل کے قلب میں کھڑا تھا،

جیسے کسی پرانی داستان کا گواہ ہو۔اس کی دیواریں پتھر کی تھیں، جن پر خزاں کے پتے چپکے ہوئے تھے۔باہر، کالے لباس میں ملبوس گارڈز خاموشی سے کھڑے تھے——

کچھ کے ہاتھوں میں رائفلیں چمک رہی تھیں، کچھ تیر و کمان تھامے سایوں کی طرح جمے تھے۔

ہوا میں ایک عجیب سی سناٹا تھا،

جیسے جنگل بھی اس محل کے رازوں سے خوفزدہ ہو۔اندر،ایک بڑے ہال میں پندرہ آدمیوں کی بھیڑ جمع تھی۔دیواروں پر ان بلب اور لائیٹس کی روشنی ان کے چہروں پر پڑ رہی تھی،

لیکن ہر ایک کی آنکھوں میں خوف تھا۔ہال کے بیچ میں الظاہر کھڑا تھا——لمبا،دبلا،اور خوفناک۔

اس کی آنکھیں سانپ کی طرح چمک رہی تھیں،اور اس کے ہاتھ میں ایک چھری تھی،۔ وہ ہمیشہ اسے اپنے پاس رکھتا تھا،جیسے وہ اس کی روح کا حصہ ہو۔اس نے ایک آدمی کی طرف بڑھ کر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔اس کی آواز دھیمی لیکن زہریلی تھی۔

"جب میں نے کہا کہ اس آدمی کو مار دو،تو تم نے اسے کیوں چھوڑ دیا؟"الظاہر نے پوچھا،

اس کی چھری آدمی کے گال کے قریب لہرا رہی تھی۔آدمی کے چہرے پر پسینہ چمک رہا تھا۔اس کی آواز کانپ رہی تھی۔

"س سر... م میں مارنے ہی والا تھا... پر... پر وہ بھاگ گیا۔" الظاہر نے اس کی بات پوری ہونے سے پہلے اپنی چھری اس کے پیٹ میں گھونپ دی۔ آدمی درد سے چیخا، اس کے گھٹنوں نے جواب دے دیا، اور وہ زمین پر گر پڑا۔ خون اس کے جسم سے رستا ہوا پتھر کے فرش پر پھیل گیا۔ الظاہر نے چھری نکالی اور اسے اس کی آستین سے صاف کیا، جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔ اس کی آواز ہال میں گونجی۔ "جب میں کوئی کام کہتا ہوں، تو وہ ہونا چاہیے۔ مجھے 'اگر' اور 'مگر' سننے کی عادت نہیں۔"

ہال میں سناٹا چھا گیا۔ ہر آدمی کی نظریں زمین پر جمی تھیں۔ الظاہر نے غصے سے گردن گھمائی۔

"اور عادل کہاں ہے؟" ایک آدمی نے ہمت کر کے سر اٹھایا، اس کی آواز دھیمی تھی۔ "سر، وہ تین چار مہینے پہلے گھر گیا تھا۔ مگر واپس نہیں آیا۔ اب پتا چلا ہے کہ وہ اپنے بھائی اور ایک لڑکی کے ساتھ کہیں سفر پر نکلا ہے۔"

الظاہر کی آنکھیں تنگ ہو گئیں۔ اس نے اپنی چھری میز پر زور سے ماری، جو لکڑی میں دھنس گئی۔ "عادل کس سے پوچھ کر ان کے ساتھ گیا؟ کیا وہ ہم سے غداری کر رہا ہے؟" اس کی آواز زہر سے بھری تھی۔ "اگر وہ سچ میں اگر ہم سے غداری کی، تو، ہم اس کو نہیں

چھوڑنے والے،اس نے سوچا کہ وہ مجھ سے بچ سکتا ہے،تو میں اسے اور اس کے ساتھ سب کو مار کر آسمان پر لٹکا دوں گا۔اس کی کھال کھینچ کر اپنے محل کی دیوار پر سجاؤں گا۔ کوئی ہم سے دھوکہ نہیں کرتا۔کوئی نہیں!''اس نے ہال کے ایک کونے کی طرف دیکھا، جہاں ایک اور آدمی کھڑا تھا—اس کے ہاتھ بندھے تھے،اور اس کا چہرہ زخموں سے لت پت تھا۔الظاہر نے اپنے ایک گارڈ کو اشارہ کیا۔''اسے یہاں لاؤ۔'' گارڈ نے اس آدمی کو گھسیٹ کر الظاہر کے سامنے پھینکا۔وہ رو رہا تھا،اس کی آواز بمشکل نکل رہی تھی۔''سر، معاف کر دیں...میں نے کچھ نہیں کیا...''الظاہر نے اس کی بات کو نظر انداز کیا۔اس نے اپنی چھری اس کے گلے پر رکھی اور ہنستے ہوئے کہا،''تم جانتے ہو،میری چھری کو خون کی پیاس ہے۔اور جب وہ پیاس بجھاتی ہے،تو میرا دل سکون پاتا ہے۔'' اس نے ایک جھٹکے سے چھری اس کے سینے میں اتار دی،پھر اسے گھمایا،جیسے وہ کوئی فن پارہ تراش رہا ہو۔ آدمی کی چیخ ایک لمحے کے لیے گونجی،پھر خاموشی چھا گئی۔الظاہر نے لاش کو پاؤں سے دھکیلا اور اپنی چھری کو خون سے لال ہوتے دیکھا۔''یہ سب کے لیے سبق ہے۔میرا حکم قانون ہے۔''ہال میں موجود ہر آدمی سہم گیا۔اب ان لاشوں کو لے جاؤ اور جلا دو،ان آدمیوں نے جلدی سے کام کرنا شروع کیا،

الظاہر نے اپنی نظریں ہال کے دوسرے سرے پر کھڑے ایک نوجوان پر ٹھہرائیں۔، اس کے چہرے پر ایک ایسی سنجیدگی تھی جو غصے اور عزائم سے بھری تھی۔الظاہر اس کی طرف بڑھا،اس کی آواز میں ایک طنزیہ لہجہ تھا۔"آ گئے حیدر کے باسط؟"نواز کی آنکھیں چھلکیں۔اس نے اپنے دانت پیستے ہوئے کہا،"پہلی بات،،میرا نام نواز ہے،باسط نہیں۔" اس کی آواز میں وہی لہجہ تھا جو حیدر اور ساد کے دوست باسط کا تھا۔ہاں،وہ وہی باسط تھا جو نہروان میں حیدر اور ساد کے ساتھ رہتا تھا،ان کا بھروسہ جیت کر ان کو دھوکا دے رہا تھا۔ الظاہر نے ہنستے ہوئے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔"غصہ مت کر،بیٹے۔بتا،کیا سوچا ہے؟"نواز نے ایک کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا،اس کی آنکھوں میں ایک طوفان سمایا تھا۔"میں نے ایک پلان بنایا ہے،ڈیڈ۔ایک ایسا پلان حیدر کی فیملی اپنے آپ میں ہی لڑ کر کمزور ہو جائے گی۔پھر وہ کھیت،وہ فصلیں،وہ شہر—سب ہمارا ہو گا۔

" بس دو مہینے صبر کرو۔میرے ایک آدمی نے ایک خبر دی ہے ...

ایسی خبر جو ہماری جیت کی کنجی ہے۔"الظاہر نے نواز کو دیکھا،اس کے ہونٹوں پر ایک شیطانی مسکراہٹ پھیل گئی۔اچانک اس حال میں ایک آدمی داخل ہوا،، جس کو دیکھ کے نواز اور الظاہر کھڑے ہو گئے،

وہ آدمی ان کے سامنے آ کے کھڑا ہو گیا،،

الظاہر نے اس کے لیے کرسی آگے کی کی،،

اس آدمی کے ہاتھ میں ایک سیب تھا،

وہ اس کرسی پے بیٹھا،،اس کی عمر لگ بگ 32 سال تھی،

تم نکموں سے ایک کسان کا کھیت نہیں لیا جا رہا،،لہجہ نرم پر آواز میں غصہ تھا،

نواز(احترام سے)

مسٹر خان،(وہ سب اس کو اسی نام سے بلاتے تھے اصل نام لینا منع تھا وہاں)بس آپ کچھ مہینے اور دو،،یا ہم مرینگے یا جیتیں گے،ہمارا ایک دشمن ٹار گیٹ پے ہے،،

یے آخری موقع ہے،اگر کام نہیں ہوا تو تمھارے ٹکرے کر کے جنگلی کتوں کو کھلا دونگا،اس نے سیب کھاتے کہا،لہجہ پھر سے وہی تھا،،

"ہال کے باہر،جنگل کی گہرائی میں،ایک پرندہ اچانک چیخا اور اڑ گیا،جیسے اس کو ان کی باتوں سے ڈر لگا رہا ہو،

،،

[9:57 PM, 7/31/2025] OWC, NHN, SMPP, SRM, AIOU, PPP:ناول۔آئی لوسٹ ایور یتھینک(سیزن 02)

ازایم فرہان

قسط نمبر02

ایک عالیشان لیکن سرد محل جنگل کے قلب میں کھڑا تھا، 1
جیسے کسی پرانی داستان کا گواہ ہو۔اس کی دیواریں پتھر کی تھیں، جن پر خزاں کے پتے چپکے ہوئے تھے۔ باہر، کالے لباس میں ملبوس گارڈز خاموشی سے کھڑے تھے—
کچھ کے ہاتھوں میں رائفلیں چمک رہی تھیں، کچھ تیر و کمان تھامے سایوں کی طرح جمے تھے۔

ہوا میں ایک عجیب سہ سناٹا تھا،
جیسے جنگل بھی اس محل کے رازوں سے خوفزدہ ہو۔اندر، ایک بڑے ہال میں پندرہ آدمیوں کی بھیڑ جمع تھی۔دیواروں پر لائیٹس کی روشنی ان کے چہروں پر پڑ رہی تھی،

لیکن ہر ایک کی آنکھوں میں خوف تھا۔ہال کے بیچ میں الظاہر کھڑا تھا—لمبا،دبلا،اور خوفناک۔

اس کی آنکھیں سانپ کی طرح چمک رہی تھیں،اوراس کے ہاتھ میں ایک چھری تھی،۔

وہ ہمیشہ اسے اپنے پاس رکھتا تھا، جیسے وہ اس کی روح کا حصہ ہو۔اس نے ایک آدمی کی طرف بڑھ کراس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔اس کی آواز دھیمی لیکن زہریلی تھی۔

"جب میں نے کہا کہ اس آدمی کو مار دو، تو تم نے اسے کیوں چھوڑ دیا؟"الظاہر نے پوچھا،

اس کی چھری آدمی کے گال کے قریب لہرا رہی تھی۔آدمی کے چہرے پر پسینہ چمک رہا تھا۔اس کی آواز کانپ رہی تھی۔

"س سر... م میں مارنے ہی والا تھا... پر... پر وہ بھاگ گیا۔"الظاہر نے اس کی بات پوری ہونے سے پہلے اپنی چھری اس کے پیٹ میں گھونپ دی۔آدمی درد سے چیخا،اس کے گھٹنوں نے جواب دے دیا،اور وہ زمین پر گر پڑا۔خون اس کے جسم سے رستا ہوا پتھر کے فرش پر پھیل گیا۔الظاہر نے چھری نکالی اور اسے اس کی آستین سے صاف کیا، جیسے

کچھ ہوا ہی نہ ہو۔اس کی آواز ہال میں گونجی۔"جب میں کوئی کام کہتا ہوں، تو وہ ہونا چاہیے۔مجھے 'اگر' اور 'مگر' سننے کی عادت نہیں۔

"ہال میں سناٹا چھا گیا۔ہر آدمی کی نظریں زمین پر جمی تھیں۔الظاہر نے غصے سے گردن گھمائی۔

" اور عادل کہاں ہے؟"

ایک آدمی نے ہمت کر کے سر اٹھایا،

اس کی آواز دھیمی تھی۔"سر، وہ تین چار مہینے پہلے گھر گیا تھا۔مگر واپس نہیں آیا۔اب پتا چلا ہے کہ وہ اپنے بھائی اور ایک لڑکی کے ساتھ کہیں سفر پر نکلا ہے۔

"الظاہر کی آنکھیں تنگ ہو گئیں۔اس نے اپنی چھری میز پر زور سے ماری، جو لکڑی میں دھنس گئی۔"عادل کس سے پوچھ کر ان کے ساتھ گیا؟ کیا وہ ہم سے غداری کر رہا ہے؟"

اس کی آواز زہر سے بھری تھی۔"اگر اس نے سچ میں ہم سے غداری کی، تو، ہم اس کو نہیں چھوڑنے والے، اس نے سوچا کہ وہ مجھ سے بچ سکتا ہے، تو میں اسے اور اس کے ساتھ سب کو مار کر آسمان پر لٹکا دوں گا۔اس کی کھال کھینچ کر اپنے محل کی دیوار پر سجاؤں گا۔کوئی ہم سے دھوکہ نہیں کرتا۔کوئی نہیں!"اس نے ہال کے ایک کونے کی طرف

دیکھا، جہاں ایک اور آدمی کھڑا تھا—اس کے ہاتھ بندھے تھے، اور اس کا چہرہ زخموں سے لت پت تھا۔ الظاہر نے اپنے ایک گارڈ کو اشارہ کیا۔ ''اسے یہاں لاؤ۔'' گارڈ نے اس آدمی کو گھسیٹ کر الظاہر کے سامنے پھینکا۔ وہ رو رہا تھا، اس کی آواز بمشکل نکل رہی تھی۔ ''سر، معاف کر دیں... میں نے کچھ نہیں کیا...'' الظاہر نے اس کی بات کو نظر انداز کیا۔ اس نے اپنی چھری اس کے گلے پر رکھی اور ہنستے ہوئے کہا، ''تم جانتے ہو، میری چھری کو خون کی پیاس ہے۔ اور جب وہ پیاس بجھاتی ہے، تو میرا دل سکون پاتا ہے۔'' اس نے ایک جھٹکے سے چھری اس کے سینے میں اتار دی، پھر اسے گھمایا، جیسے وہ کوئی فن پارہ تراش رہا ہو۔

آدمی کی چیخ ایک لمحے کے لیے گونجی، پھر خاموشی چھا گئی۔ الظاہر نے لاش کو پاؤں سے دھکیلا اور اپنی چھری کو خون سے لال ہوتے دیکھا۔ ''یہ سب کے لیے سبق ہے۔ میرا حکم قانون ہے۔'' ہال میں موجود ہر آدمی سہم گیا۔ اب ان لاشوں کو لے جاؤ اور جلا دو، ان آدمیوں نے جلدی سے کام کرنا شروع کیا،

الظاہر نے اپنی نظریں ہال کے دوسرے سرے پر کھڑے ایک نوجوان پر ٹھہرائیں۔،

اس کے چہرے پر ایک ایسی سنجیدگی تھی جو غصے اور عزائم سے بھری تھی۔الظاہر اس کی طرف بڑھا،اس کی آواز میں ایک طنزیہ لہجہ تھا۔"آ گئے حیدر کے باسط؟"نواز کی آنکھیں چھلکیں۔اس نے اپنے دانت پیستے ہوئے کہا،"پہلی بات،،میرا نام نواز ہے،باسط نہیں۔" اس کی آواز میں وہی لہجہ تھا جو حیدر اور ساد کے دوست باسط کا تھا۔ہاں،وہ وہی باسط تھا جو نہروان میں حیدر اور ساد کے ساتھ رہتا تھا،ان کا بھروسہ جیت کر ان کو دھوکا دے رہا تھا۔ الظاہر نے ہنستے ہوئے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔"غصہ مت کر،بیٹے۔بتا،کیا سوچا ہے؟"نواز نے ایک کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا،اس کی آنکھوں میں ایک طوفان سمایا تھا۔"میں نے ایک پلان بنایا ہے،ڈیڈ۔ایک ایسا پلان حیدر کی فیملی اپنے آپ میں ہی لڑ کر کمزور ہو جائے گی۔پھر وہ کھیت،وہ فصلیں،وہ شہر——سب ہمارا ہو گا۔

" بس دو مہینے صبر کرو۔میرے ایک آدمی نے ایک خبر دی ہے ...

ایسی خبر جو ہماری جیت کی کنجی ہے۔"الظاہر نے نواز کو دیکھا،اس کے ہونٹوں پر ایک شیطانی مسکراہٹ پھیل گئی۔اچانک اس حال میں ایک آدمی داخل ہوا،،

جس کو دیکھ کے نواز اور الظاہر کھڑے ہو گئے،

وہ آدمی ان کے سامنے آ کے کھڑا ہو گیا،الظاہر نے اس کے لیے کرسی آگے کی۔

اس آدمی کے ہاتھ میں ایک سیب تھا،

وہ اس کرسی پے بیٹھا،،اس کی عمر لگ بگ 32 سال تھی،

تم نکموں سے ایک کسان کا کھیت نہیں لیا جا رہا،، لہجہ نرم پر آواز میں غصہ تھا،

نواز (احترام سے)

مسٹر خان،(وہ سب اس کو اسی نام سے بلاتے تھے اصل نام لینا منع تھا وہاں) بس آپ کچھ مہینے اور دو،، یا ہم مر ینگے یا جیتیں گے، ہمارا ایک دشمن ٹارگیٹ پے ہے،،
یے آخری موقع ہے، اگر کام نہیں ہوا تو تمھارے ٹکرے کر کے جنگلی کتوں کو کھلا دونگا، اس نے سیب کھاتے کہا، لہجہ پھر سے وہی تھا،،

مجھے اس شہر پر حکومت کرنی ہے۔۔

"ہال کے باہر، جنگل کی گہرائی میں، ایک پرندہ اچانک چیخا اور اڑ گیا، جیسے اس کو ان کی باتوں سے ڈر لگا رہا ہو،

بادل اب بھی گہرے تھے، جیسے آسمان اپنے رازوں کا بوجھ اٹھائے چل رہا ہو۔ جنگل کی پگڈنڈیاں گھنی اور پراسرار تھیں، جہاں ہر قدم کے ساتھ پتے کچلنے کی آواز گونجتی تھی۔

انوشہ، اور زوہیب ایک نہر کے کنارے رُکے، جہاں پانی چٹانوں سے ٹکرا کر ایک دھیمی سی لوری گا رہا تھا، لیکن ہوا میں ایک عجیب سی بے چینی تھی۔

عادل نے انوشہ اور زوہیب کی طرف دیکھا، اس کی آنکھوں میں جھنجھلاہٹ تھی۔

"کیا ہوا؟ ہمیں چلتے رہنا ہوگا۔ جتنی جلدی ہو سکے، اس جنگل سے نکلنا ہے۔

"اس کی آواز میں وہی رعب تھا، جس کے لیے وہ جانا جاتا تھا۔

زوہیب نے انوشہ کی طرف دیکھا، اس کا چہرہ تھکاوٹ سے بھرا تھا۔ "یار، یہ راستہ تو ختم ہی نہیں ہو رہا۔

"اس نے اپنا بیگ زمین پر رکھتے ہوئے بیزاری سے کہا، اس کی آواز میں شکایت تھی۔

عادل نے ایک قدم آگے بڑھایا، اس کا لہجہ طنزیہ ہو گیا۔

"یہ گھر کا باتھ روم نہیں ہے کہ دل چاہا اور پہنچ گئے۔ نہ تمہارا گارڈن ہے۔ جہاں گھوما اور واپس آ گئے

یہ سفر ہے،اور ہم جنگل میں ہیں!'' اس نے اپنا سر جھٹکا، جیسے وہ زوہیب کی باتوں سے تنگ آچکا ہو۔

انوشہ، جو خاموشی سے ان کی باتیں سن رہی تھی، ہنسی۔اس کی ہنسی جنگل کی خاموشی کو چھو گئی، لیکن اس کی نظریں زوہیب پر تھیں۔زوہیب نے عادل کی ادا سے جھنجھلا کر کہا،

''ہاں،ہاں،پتا ہے، یہ گھر نہیں ہے۔

بھوک لگی ہے۔اگر کھانا ہے تو دو، ورنہ جا کر شکار کر کے آ ہم یہیں بیٹھے ہیں۔''اس نے عادل کی طرف دیکھا، جیسے اسے چیلنج کر رہا ہو۔

عادل نے نخرے دیکھاتے ایک پتھر پر بیٹھ گیا۔''میں تمہارے باپ کا نوکر نہیں ہوں۔جا کر خود کر کے آ۔'' اس نے بازو باندھ تپ کر بولا،، لیکن اس کی نظریں انوشہ پر ٹھہریں، جواب سنجیدہ تھی، ''اچھا، میں ہی شکار کر لاتی ہوں۔ویسے بھی،ایک کو شکار کرنا نہیں آتا،اور دوسرے کو صرف لڑنا آتا ہے۔اسے کسی کی پرواتو ہوتی نہیں۔''اس کا لہجہ تلخ تھا، عادل کی بات سن کے اسے غصہ آیا تھا،

لیکن اس کی نظریں عادل پر جمی تھیں، جیسے وہ اسے اُکسا رہی ہو۔عادل نے انوشہ کی طرف دیکھا،اس کا منہ بن گیا۔

" ہاں، خود تو جیسے دوسروں کو بچاتی پھر رہی ہو۔اوران کے لیے جان دی ہو" اس کا لہجہ ہلکا تھا، لیکن اس کی آنکھوں میں ایک چھپی سی چمک تھی۔

انوشہ کا چہرہ اب بھی سنجیدہ تھا۔اس نے عادل کی آنکھوں میں دیکھا،اس کی آواز گہری تھی۔اب کی بار اسے غصہ دلانے کی بھرپور کوشش کی تھی،

" ضرورت پڑی تو میں یہ بھی کروں گی۔کیونکہ تم جیسے لوگ کہاں اپنے آپ کو چوٹ پہنچانا چاہتے ہیں؟دوسروں کے لیے کہاں مرنا چاہتے ہیں؟تم بس اپنے لیے سوچتے ہو، جب اگلے کے سر پر مصیبت ہو تو بس خود کو بچا کر نکل جاتے ہو۔" اس کے لفظوں میں ایک ایسی شدت تھی، کہ عادل خاموش ہو گیا۔اس کی نظریں زمین پر جھک گئیں، جیسے انوشہ کی بات اس کے دل میں جا لگی ہو،۔عادل ایک لمحے کے لیے چپ رہا، پھر اٹھا۔

" شکار کے لیے جا رہا ہوں۔" اس نے دھیمی آواز میں کہا،اور جنگل کی گہرائی میں چلا گیا۔

زوہیب نے حیرت سے انوشہ کی طرف دیکھا۔"یار، تم ہر وقت بھائی سے لڑتی کیوں رہتی ہو؟"انوشہ نے زوہیب کی طرف دیکھا،اس کے چہرے پر غصہ تھا۔"اچھا، میرا لڑنا دکھتا

ہے؟اس کا نہیں دکھتا، کہ وہ بچپن سے مجھ سے لڑتا اور جلتا آرہا ہے؟'' اس کی آواز میں ایک پرانی سی شکایت تھی،،

۔زوہیب نے سر ہلا کر کہا،''ٹھیک ہے، ٹھیک ہے۔'' دونوں ایک چٹان پر بیٹھ گئے، لیکن انوشہ کی نظریں دور جنگل کی طرف تھیں، جیسے وہ اپنے ماضی کی کسی گلی میں کھو گئی ہو

ماضی

نو سالہ ننھی انوشہ ایک کھلے میدان میں مٹی کے کپ بنا رہی تھی۔دھوپ اس کے چہرے پر سونے کی طرح چمک رہی تھی،اور اس کے ہاتھ مٹی سے اٹے تھے۔اس نے ایک کپ کو بڑی محبت سے بنایا تھا،اس پر اپنی انگلیوں سے چھوٹے چھوٹے پھول کھینچے تھے۔اچانک، ایک آواز گونجی۔''چپکلی، کیا بنایا ہے؟''انوشہ نے سر اٹھایا۔

گیارہ سالہ عادل کھڑا تھا،اس کی آنکھوں میں شرارت چمک رہی تھی اور وہ پھر سے اسے تنگ کرنے پہنچ گیا تھا۔اس نے انوشہ کے بنائے کپوں کو دیکھا،اور ہنستے ہوئے اس کے ہاتھ سے وہ کپ چھین کر زمین پر پٹخ دیا۔

کپ ٹوٹ کر مٹی میں مل گیا۔انوشہ کا چہرہ لال ہو گیا،اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر آئیں۔وہ رونا چاہتی تھی،لیکن عادل کی طرف دیکھتی رہی۔

عادل نے طنزیہ ہنسی ہنسی۔

"اوہ،مہارانی کو رونا آرہا ہے؟اولے اب معافی مانگوں،

وہ استہزایہ لہجے میں کہتا اس پہ ہنسا" اس کے لہجے میں کوئی رحم نہ تھا۔اسے انوشہ کو رلانے میں مزہ آرہا تھا۔

اسی وقت،قبیلے کے چند بچے وہاں آگئے۔ایک بچے نے،جو عادل کا ہم عمر تھا،ہنستے ہوئے کہا،"عادل بھائی، یہ تو کپ بنارہی ہے تمھاری چپکلی!آج کے بعد اسی میں چائے پیئں گے" سب ہنسنے لگے،عادل بھی۔انوشہ کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے،

لیکن وہ خود کو روکنے کی کوشش کررہی تھی۔،اچھا میں چپکلی تو تم بھنے ہوئے آلو،وہ غصے سے دیکھتے بولی،،اس پے ایک بچے کو غصہ ایا،اوراچانک،ایک بچے نے انوشہ کو دھکا دیا،

اوراس کے بنائے باقی کپ بھی توڑ دیے۔دھکے سے انوشہ زمین پر گر گئی،اس کی کلائی ایک نوکیلے ٹکڑے سے زخمی ہو گئی۔خون کی ایک پتلی سی دھار بہہ نکلی،اور وہ رونے لگی۔

عادل کی ہنسی اچانک غائب ہو گئی۔وہ تیزی سے انوشہ کے پاس آیا۔

" اٹھو،انوشہ!چوٹ تو نہیں آئی نہ" اس نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے اٹھانے کی کوشش کی۔

انوشہ اٹھی،اس نے اپنی کلائی کو دیکھتے ہوئے سسکیاں بھر رہی تھی۔عادل کی نظریں اس کی چوٹ پر پڑیں،

اور اس کا چہرہ غصے سے لال ہو گیا۔

وہ اس بچے کی طرف پلٹا،جس نے دھکا دیا تھا،اور اسے چار پانچ تھپڑ مارے۔"انوشہ سے معافی مانگ!" اس نے غرجتے ہوئے کہا۔"اسے چوٹ پہنچانے کا حق صرف میرا ہے، میں جو چاہوں کر سکتہ ہوں،

کیونکہ یہ ہمارے گھر سے کھانا کھا رہی ہے! یہ ہمارے گھر میں رہتی ہے" انوشہ حیرت سے عادل کو دیکھتی رہی، اس کی سسکیاں تھم گئیں۔ عادل کا غصہ، اس کی حفاظت — یہ سب کیوں۔ عادل اس وقت بھی انوشہ کو زہر لگا تھا

موجودہ وقت

" انوشہ! انوشہ!" زوہیب کی آواز نے انوشہ کو اس کے خیالوں سے باہر نکالا۔ وہ چونک کر پلٹی۔

سامنے عادل بیٹھا تھا، خاموش، اپنے ہاتھوں میں دو خرگوش پکڑے، جنہیں وہ صاف کر رہا تھا۔ اس کی نظریں زمین پر جمی تھیں، لیکن اس کا چہرہ پر سکون تھا۔ "کہاں گم ہو، انوشہ؟" کیا ہوا تمہیں، زوہیب نے حیرت سے پوچھا۔ "انوشہ نے سر جھٹکا۔ "کچھ نہیں۔" اس کی آواز دھیمی تھی۔ اس نے اپنے گلے میں لٹکے ہار کو ہاتھ میں لیا، جس پر لکھا تھا: انوشہ وِتھ زنیرہ۔ اس کا دل ایک پرانی یاد سے بھر گیا۔

اس کے ابو نے کہا تھا کہ یہ ہار اس کے اور اس کی جڑواں بہن زنیرہ کے گلے میں بھی تھا جو کہ اس نے پہنایا تھا دونوں کو۔انوشہ کی آنکھیں دھندلا گئیں،

جیسے وہ زنیرہ کو جنگل کی گہرائی میں ڈھونڈ رہی ہو۔وہ بیٹھ گئی،

اپنی نئی زندگی کی سوچ میں گم——ایک ایسی زندگی جہاں وہ اپنے بڑے چاچا اور اپنے خون کے رشتوں کے ساتھ ہو۔

عادل نے چپکے سے انوشہ کی طرف دیکھا۔اس کے بال آج ایک خوبصورت انداز میں بنے تھے——ایک ڈھیلا سا جوڑا، جس میں سے چند لٹیں اس کے چہرے پر لہرا رہی تھیں۔ہلکے سنہرے بال کمر تک آتے جو،اور اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سی گہرائی تھی۔عادل کے دل نے دھڑکن چھوڑ دی۔وہ... بالکل پری کی طرح لگ رہی ہے۔لیکن اس نے سوچا کہ انوشہ اس کے لیے،لاحاصل تھی،وہ ایک خواب تھی، جسے وہ کبھی پا نہیں سکتا تھا،،۔

جب انوشہ نے اس کی طرف دیکھا،اس نے فوراً نظریں ہٹالیں۔انوشہ نے ہار کو مضبوطی سے پکڑا، جیسے وہ اپنی امیدوں کو تھام رہی ہو۔اور عادل کو حیرت سے دیکھتے اٹھی اور بولی،

"چلو، کھانا کھاتے ہیں۔" انہوں نے خرگوش کا گوشت پکایا، جنگل کی لکڑیوں سے آگ جلا کر۔

کھانے کی خوشبو جنگل میں پھیل گئی، اور تینوں نے خاموشی سے کھانا کھایا۔ کھانے کے بعد،

وہ دوبارہ چل پڑے، ایک خوبصورت سفر کے لیے۔

نہر کا پانی ان کے ساتھ ساتھ بہہ رہا تھا، اور جنگل کی ہوا ان کے خوابوں کو چھو رہی تھی۔

انوشہ کا ہار جھولتا جا رہا تھا، جیسے وہ زنیرہ کا کوئی پیغام لے کر آئی ہو۔ عادل چپکے سے انوشہ کو دیکھ رہا تھا، اس کے دل میں ایک چھپی سی خواہش جاگ رہی تھی۔

اس نے دُور سے دیکھا — نہروان شہر جیسے کسی خواب کی سرزمین تھی، جو پتھروں، سبزہ زاروں، اور امیدوں سے بنی ہو۔ اس کی دیواریں سورج کی آخری کرنوں میں چمک رہی

تھیں،اور بلند میناروں سے نہر کا پانی آبشاروں کی طرح گرتا ہوا زمین کو سیراب کر رہا تھا۔ ہوا میں پھولوں کی مہک تھی،اور پرندوں کی چہچہاہٹ ایک دھیمی سی لوری گا رہی تھی۔ لیکن عماد کا دل اسے دیکھنے کو تھا۔اسے اپنے باپ کی آواز سنائی دی، جو چند روز قبل اس دنیا سے رخصت ہو گیا تھا۔''عماد، تم نہروان شہر جانا۔اس کے سردار سے بات کرنا۔جو کچھ میں نے تمہیں سکھایا، جو سامان میں نے دیا—وہ سب اسے دکھانا۔وہ تمہیں نہیں روکے گا۔وہ تمہیں کام ضرور دیگا،''اس کی آواز جیسے جنگل کے پتوں میں گونج رہی تھی۔عماد نے اپنی گھوڑے گاڑی کی طرف دیکھا، جہاں پرانی دنیا کی مشینیں، کتابیں،اور اس کے باپ کی آخری نشانیاں بندھی تھیں۔اس کا ہاتھ ایک پرانی کتاب پر پھرا، جس کے صفحوں پر اس کے خاندان کی ڈاکٹری کی صدیوں پرانی حکمت درج تھی۔اس نے گہری سانس لی، اپنے گھوڑے کو ہلکا سا اشارہ کیا،اور نہروان کی طرف چل پڑا۔

جب وہ شہر کے دروازے کے قریب پہنچا، دو پہریداروں نے ہاتھ اٹھا کر اسے روک لیا۔ ان کے چہروں پر شک کی لکیریں تھیں،اور ان کے ہاتھوں میں نیزے اور ساتھ میں ڈھال تھی،اور کچھ اوپر والوں کے ہاتھوں میں تیر کمان بھی تھے،

"تمہارے پاس انٹری پاس ہے؟" ایک پہریدار نے سرد لہجے میں پوچھا اور اس گاڑی کی تلاشی لینے لگا جہاں اسے بس کتابیں ملی

۔عماد نے حیرت سے سر ہلایا۔ "نہیں...وہ تو نہیں ہے۔یہ اینٹر پاس کیسے ملتا ہے؟" اس کی آواز میں معصومیت تھی، لیکن اس کی آنکھوں میں عزم جھلک رہا تھا۔"اس کے لیے تمہیں سردار حیدر سے ملنا ہو گا۔اور اجازت لینی ہو گی،" دوسرے پہریدار نے کہا،اس کی نظریں عماد کی گاڑی پر جمی تھیں۔"لیکن تمہیں یہ سامان اور گھوڑا یہاں چھوڑنا ہو گا۔" عماد نے فوراً سر ہلایا۔"نہیں، میں یہ سب یہاں نہیں چھوڑ سکتا۔" اس کی آواز میں ایک ضد تھی،

جیسے وہ اپنے باپ کی آخری امانت کی حفاظت کر رہا ہو۔پہریدار نے کندھے اچکائے۔

"پھر یہی راستہ ہے—واپس جاؤ یے رہا وہ راستہ۔۔" وہ اپنی جگہ پر واپس کھڑے ہو گئے، جیسے ان کے لیے عماد کی بات کوئی معنی نہ رکھتی ہو۔

اسی لمحے، پیچھے سے ایک آواز گونجی۔

" کیا ہوا؟" وہ سادھ تھا،اس کے ساتھ ہیر بھی تھی، جس کے بال ہوا میں لہرا رہے تھے۔ سادھ نے پہریدار کی طرف دیکھا،اس کا لہجہ پر سکون لیکن آمرانہ تھا۔

" ساد صاحب، یہ پتا نہیں کیا لے کر آیا ہے۔ شہر میں جانا چاہتا ہے، لیکن نہ اس کے پاس انٹری پاس ہے، نہ یہ اپنا سامان چھوڑنا چاہتا ہے۔ نہ یے اجازت لینا چاہتا ہے،" پہریدار نے ساری بات بتائی، اس کی آواز میں جھنجھلاہٹ تھی۔" ہم نے اسے واپس جانے کو کہہ دیا۔

"ساد نے مسکرا کر کہا،" بہت اچھا۔

"وہ عماد کے پاس آیا، اس کی نظریں گاڑی پر پڑیں۔" ہاں، صاحب، کیا لے کر گھوم رہے ہو؟" عماد نے ساد کو دیکھا، اس کا چہرہ سنجیدہ تھا۔

" معاف کیجیے، لیکن یہ میں صرف سردار کو بتاؤں گا۔" ہیر نے حیرت سے عماد کی طرف دیکھا، اس کی آواز میں چھبن تھی۔" یہ بھی سردار کا بیٹا ہے ۔بتاؤ، یہ کیا ہے؟" اس نے عماد کے سامان کی طرف اشارہ کیا۔

عماد نے ایک لمحے کے لیے سوچا، پھر اپنی گاڑی سے ایک پرانی کتاب نکالی۔ اس کے سرورق پر گرد جمی تھی، لیکن اس کے صفحے چمڑے سے بندھے تھے۔" یہ کتابیں ہیں۔ ان میں انسان کے ہر درد کا علاج اور اس کی دوا بنانے کی ترکیب مل جائے گی۔

"اس نے کتاب ساد کو دکھائی،

لیکن مشینیں چھپالیں۔اس کی آواز میں ایک عجیب سا یقین تھا، جیسے وہ اپنے خاندان کی میراث پر فخر کر رہا ہو۔

سا دنے کتاب کو غور سے دیکھا، پھر عماد کی طرف۔ ''ٹھیک ہے۔اندر چلو۔'' اس نے پہریداروں کو اشارہ کیا،اور عماد کو اپنے ساتھ لے کر شہر کے اندر چلا گیا۔ہیر نے عماد کو ایک آخری نظر دیکھا، جیسے وہ اس کو سمجھنے کی کوشش کر رہی ہو۔وہ اندر داخل ہوئے تو عماد کا منہ کھول گیا تھا۔

نہروان شہر جیسے کسی پریوں کی کہانی سے نکلا ہو۔اس کی گلیاں پتھروں سے بنی تھیں، ہر ایک پتھر اتنا صاف کہ اس میں آسمان کی جھلک دکھائی دیتی تھی۔ہر گھر کے سامنے لکڑی کی باڑ تھی، جس پر رنگ برنگے پھول لٹک رہے تھے۔گھروں کی چھتوں پر سبز پودے پھیلے تھے، جیسے وہ آسمان کو چھو رہے ہوں۔نہر گلی کے کنارے بہہ رہی تھی،ان کا پانی اتنا شفاف کہ نیچے کے پتھر چمک رہے تھے۔بچوں کی ہنسی، عورتوں کی باتیں،اور مردوں کے کام کی آوازیں ہوا میں گھل رہی تھیں۔عماد حیرت سے یہ سب دیکھ رہا تھا،اس کا دل جیسے اس شہر کی خوبصورتی میں کھو گیا ہو۔باپ... کیا یہ وہی جگہ ہے جس کی تم بات کرتے تھے؟ سا دنے عماد کو حیدر کی بیٹھک کے سامنے چھوڑا اور خود چلا گیا۔عماد نے بیٹھک کی

طرف دیکھا—ایک بڑا لکڑیوں سے بنا کمرہ، جس کی دیواروں پر پودوں کی بیل چڑھی تھی۔اندر، حیدر ایک آدمی کے ساتھ بیٹھا تھا،اس کا چہرہ سنجیدہ اور آنکھیں گہری تھیں۔حیدر نے عماد کو دیکھا،

"کیپٹن زاہد، تم جاؤ۔پھر بات کریں گے۔" حیدر نے کہا، پھر عماد کی طرف دیکھا۔

" آؤ جناب، حیدر نے عماد کو دیکھتے بولا،

"عماد نے آگے بڑھ کر کہا،

" سردار، میں یہاں نیا ہوں۔میں نہروان میں رہنا چاہتا ہوں۔" اس کی آواز میں ایک عاجزی تھی، لیکن اس کے چہرے پر عزم جھلک رہا تھا۔حیدر نے اسے غور سے دیکھا، اس کی آنکھیں جیسے عماد کے دل کو پڑھ رہی ہوں۔

" تم یہاں کیوں رہنا چاہتے ہو؟اور پہلے کہاں رہتے تھے؟

"عماد کی نظریں زمین پر جھک گئیں،اس کا دل بھاری ہو گیا۔"پہلے ہم ایک جنگل میں رہتے تھے۔کئی سال پہلے ہم ایک بنکر میں تھے۔صرف بابا باہر نکل کر شکار یا پانی لاتا تھا۔ ہم دو بھائی، ماں، اور بابا تھے۔" اس کی آواز لرز گئی۔پھر ہم نے اس بنکر سے نکل کر باہر رہنے لگے زمین کے اوپر،

"لیکن چند دن پہلے ہم پر حملہ ہوا۔ میرا بھائی لڑنا جانتا تھا، لیکن... سب مارے گئے۔ انہوں نے ہمارا سارا کھانا بھی چھین لیا۔" حیدر نے اب عماد کو گہری نظروں سے دیکھا، عماد جیسے اپنے باپ کی آخری بات کو دل میں سہارا بنا رہا ہو۔

حیدر نے رُک کر پوچھا، "تمہیں اگر لڑنا نہیں آتا تو کیا آتا ہے؟" عماد نے سر اٹھایا، اس کی آواز میں یقین تھا۔ "سردار، میں ڈاکٹر ہوں۔ میرے پاس سامان بھی ہے۔ میں ہر بیماری کا علاج کر سکتا ہوں میرے پاس پرانی دنیا کی دوائیں اور ان کو بنانے کا ہنر رکھتا ہوں۔"

حیدر کا چہرہ سخت ہو گیا۔

"بکواس بند کرو۔ ڈاکٹر نام کی اب کوئی چیز نہیں ہے۔" اس کی آواز میں شک اور غصہ تھا۔

عماد نے ہمت کی۔ "سردار، میرا پورا خاندان ڈاکٹر تھا۔ میرا دادا پرانی دنیا کا سب سے بڑا ڈاکٹر تھا۔ اس نے ہمیں سب کچھ سکھایا، کیونکہ یہی ہمارا رزق ہے۔

اگر آپ کو یقین نہیں، تو میرے پاس مشینیں اور کتابیں ہیں۔" اس کی آواز میں ایک ایسی شدت تھی کہ حیدر رُک گیا۔

حیدر نے عماد کو گاڑی کے پاس لے جانے کا اشارہ کیا۔ عماد نے گاڑی سے کتابیں نکالیں، جن کے صفحوں پر پرانی دنیا کی طبّی حکمت درج تھی۔ پھر اس نے ایک مشین دکھائی—— ایک چھوٹا سا آلہ، جو دھات اور شیشے سے بنا تھا، اس کی اسکرین پر سیاہی تھی۔ حیدر کی آنکھوں میں حیرت جھلکی، لیکن اس نے کچھ نہ کہا۔ ''ٹھیک ہے۔'' حیدر نے کہا۔

'' تمہیں موقع دیتا ہوں۔ خود کو ثابت کر کے دیکھا۔'' وہ عماد کو ایک بڑے کمرے میں لے گیا، جہاں ایک لڑکی بستر پر بے ہوش پڑی تھی۔ اس کا چہرہ زرد تھا، اور اس کی سانسیں کمزور۔ کمرے میں ایک عجیب سی خاموشی تھی، جیسے موت اس کے سرہانے کھڑی ہو۔ اس کی ماں بھی وہی اس کے سر کے پاس سو رہی تھی,

حیدر نے کہا، ''یہ لڑکی تین دن سے بے ہوش ہے۔ ہم نے سب کچھ کیا، لیکن وہ ہوش میں نہیں آئی۔ اگر تم ڈاکٹر ہو، تو اسے جگاؤ۔

''عماد نے گہری سانس لی۔ ''میں کوشش کروں گا۔'' اس نے اپنا سامان اتارا—— ایک بڑی بیٹری، جو دو آدمیوں نے بمشکل اٹھائی ایسی تین بیٹریاں تھیں، کافی انجیکشن، اور پرانی دنیا کی دوائیں۔ اس نے مشین کو سیٹ کیا، اس کی تاروں کی سیٹنگ کی، اس کی اسکرین پر لائنیں چمکنے لگیں۔ اس نے لڑکی کے بازو میں ایک سوئی لگائی، اس کی حرکات اتنی پُراعتماد

تھیں جیسے وہ اپنے باپ کے سایہ میں یہ سب کر رہا ہو۔ مشین نے لڑکی کی آکسیجن، بلڈ پریشر اور دل کی دھڑکنیں بھی بتانے لگی۔ عماد نے حیدر کی طرف دیکھا، اس کی آواز دھیمی لیکن پُرامید تھی۔

"میں نے اپنا کام کر دیا۔ اب اگر خدا چاہے گا، تو وہ ہوش میں آئے گی۔ ایک دن لگے گا ہوش میں آنے کے لیے" حیدر نے عماد کو گہری نظروں سے دیکھا، اس کی آنکھوں میں شک اب بھی تھا، لیکن ایک ہلکی سی امید بھی جھلک رہی تھی۔ کمرے میں خاموشی چھا گئی، جیسے سب اس لڑکی کی سانسوں کے اگلے لمحے کا انتظار کر رہے ہوں۔

باہر، نہر کا پانی گرج رہا تھا، اور نہروان کی گلیوں میں ایک نیا ہنر آ چکا تھا۔ اس شہر کا ڈاکٹر

سادھ تھکا ہارا اپنے کمرے میں داخل ہوا۔ نہروان کی شام اپنی خاموشی پھیلا رہی تھی، اور کھڑکی سے آنے والی ٹھنڈی ہوا کمرے کی دیواروں سے ٹکرا رہی تھی۔ اس نے اپنا بیگ ایک طرف رکھا،

اور الماری کی طرف بڑھا، جہاں وہ اپنا سامان رکھنے لگا۔اس کے ہاتھوں میں پرانی دنیا کی چند چیزیں تھیں—ایک چھوٹا سا چاقو، کچھ رسیاں،۔جب اس نے سامان رکھا،اس کی نظر الماری کے کونے میں پڑی ایک چھوٹی سی لکڑی کی سینڈوک پر پڑی۔۔ساد نے ہچکچاتے ہوئے سینڈوک کو باہر نکالا۔اس کا ڈھکن گرد سے اٹا تھا،

اور اس پر چھوٹے چھوٹے پھول کندہ تھے، جیسے کسی نے اسے محبت سے بنایا ہو۔اس نے ڈھکن کھولا،اور اندر کچھ تصاویر پڑی تھیں ہاتھ سے بنائی ہوئی،ایک کے اوپر ایک، جیسے وقت نے انہیں چھپا کر رکھا ہو۔اس نے پہلی تصویر اٹھائی۔اس میں وہ اور ہیر تھے،دونوں مسکرا رہے تھے،پس منظر میں نہروان کی نہر چمک رہی تھی۔ہیر کی آنکھوں میں شرارت تھی،اور ساد کا ہاتھ اس کے کندھے پر تھا، جیسے وہ اسے کسی شرارت سے روک رہا ہو۔اس نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ تصویر ایک طرف رکھی۔دوسری تصویر میں صرف ساد تھا،اکیلا،ایک چٹان پر بیٹھا،اس کے ہاتھ میں ایک پھول تھا۔اس کے چہرا مسکرا رہا تھا، جیسے وہ کسی کو پا چکا ہو۔اس نے اسے دیکھا،۔تیسری تصویر میں حیدر ریحا اور ساد تھے، تینوں مسکرا رہے تھے،نہروان کے ایک تہوار کی رنگینی پس منظر میں جھلک رہی تھی۔

حیدر کا ہاتھ ساد کے کندھے پر تھا، وہ بیچ میں تھا اور دوسرے طرف ریحا مسکرا کے سامنے دیکھ رہی تھی،

۔ساد نے اسے دیکھ کر سر ہلایا، جیسے وہ اپنے باپ کی محبت کو دل میں سمو رہا ہو

۔لیکن جب اس نے اگلی تصویر اٹھائی، اس کا دل جیسے ڈوبنے لگا، وہ تصویر آریا کی تھی۔ جس میں وہ مسکرا رہی تھی، اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں، اور اس کے بال ہوا میں لہرا رہے تھے۔اس کے نیچے ایک اور تصویر کا پنا تھا، جس میں ساد اور آریا ایک ساتھ بیٹھے تھے، دونوں مسکرا رہے تھے۔آریا کی مسکراہٹ دل سے تھی، جیسے وہ دنیا کی ہر خوشی اپنے بھائی کے ساتھ بانٹ رہی ہو۔ساد کی آنکھیں دھندلا گئیں، اس کا ہاتھ تصویر پر پھرا، جیسے وہ آریا کو چھو رہا ہو۔پرانی یادیں جیسے موجوں کی طرح اس کے دل پر ٹوٹنے لگیں، اور وہ ان کی گہرائی میں ڈوب گیا۔

"بھائی! بھائی! ساد بھائی!" آریا کی چھوٹی سی آواز گونجی، جیسے کوئی پرندہ چہک رہا ہو۔ وہ بھاگتی ہوئی ساد کے پاس آئی، اس کی چوٹی ہوا میں لہرا رہی تھی۔اس نے سانس لی اور خوشی سے چہکتی ہوئی بولی، "بھائی، چلو! وہاں وہ انکل ہم دونوں کی تصویر بنائے گا۔آؤ،

ساتھ میں تصویر بنوائیں!" ساد نے حیرت سے آریا کی طرف دیکھا، اس کا چہرہ تھکن سے بھرا تھا۔ "کیا ہوا، آریا؟ ذرا آرام سے بتا۔" اس نے ہنستے ہوئے کہا، لیکن آریا نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے کھینچنا شروع کر دیا۔

"آرام سے کیا، بھائی! تم تو ہر وقت بوڑھوں جیسے ہو۔ چلو نا، جلدی!" آریا نے شرارتی مسکراہٹ کے ساتھ کہا، اس کی آنکھوں میں چمک تھی۔ ساد ہنستے ہوئے اس کے پیچھے بھاگا، لیکن اس نے آہستہ کرنے کی کوشش کی۔ "آرام سے، آریا! گر جائیں گے۔ تو پھر روتی پھرو گی کہ 'بھائی، میری ٹانگ!'" آریا نے ہنستے ہوئے منہ بنایا۔ "ہاں، ہاں، تم بس ڈراؤ۔ میں تو شیرنی ہوں، گرتی کہاں ہوں!" وہ ہنستے ہوئے بھاگتی رہی، اور ساد اس کے پیچھے، جیسے وہ اس کی ہر شرارت کا ساتھ دینے کو تیار ہو۔

وہ ایک چھوٹے سے چوک پر پہنچے، جہاں ایک بوڑھا مصور زمین پر بیٹھا سکیچ بنا رہا تھا۔ اس کے سامنے رنگوں کی چھوٹی چھوٹی شیشیاں رکھی تھیں، اور اس کے ہاتھوں میں برش جیسے جادو کر رہا ہو۔ آریا نے چہکتے ہوئے کہا،

"انکل! انکل! ہم دونوں کی ایک زبردست تصویر بنائیں۔ ایسی کہ سب کہیں، واہ!

"مصور نے مسکرا کر آریا کی طرف دیکھا۔ "ٹھیک ہے، چھوٹی بی بی۔ بیٹھو، اور مسکراؤ۔" آریا نے فوراً ساد کے کندھے پر سر رکھا، اس کی مسکراہٹ اتنی چمکدار تھی کہ جیسے سورج اس کے چہرے سے جھلک رہا ہو۔ ساد نے ہنستے ہوئے اسے دیکھا، اس کا دل اس کی معصومیت سے بھر گیا۔

" آریا، ذرا سیدھا بیٹھو۔ یہ کیا ڈھیلا ڈھالا سٹائل ہے؟""اوہو، بھائی! یہ میرا سٹائل ہے۔ تم تو بس جج بنو۔" آریا نے منہ بناتے ہوئے کہا، اور دونوں ہنس پڑے۔ مصور نے خاموشی سے ان کی تصویر بنائی، اس کے برش سے رنگ کاغذ پر اترتے رہے۔

ایک گھنٹے بعد،

اس نے سکیچ مکمل کیا۔ اس میں ساد اور آریا ایک ساتھ بیٹھے تھے، آریا کی مسکراہٹ دل سے تھی، اور ساد اسے پیار سے دیکھ رہا تھا۔ رنگوں نے سکیچ کو جیسے زندہ کر دیا تھا۔ آریا نے سکیچ دیکھ کر تالیاں بجائیں۔ "واہ، انکل! یہ تو جادو ہے!" ہے بھائی،

وہ ساد کی طرف مڑی، "بھائی، اگر کسی روز میں نہ رہوں تو یہ دیکھ لینا۔ اور مسکرا کر کہنا، 'چھوٹی جان اس آریا کی بچی سے'!

"اس نے ہنستے ہوئے کہا، لیکن اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک تھی۔

سادنے ہنستے ہوئے اس کا ماتھا چھوا۔ ''بکواس بند کر، آریا۔ تو کہیں نہیں جا رہی۔ تو میری ایسے جان نہیں چھوڑے گی، اور ہاں، اگر تو گئی بھی تو میں یہ تصویر لے کر تیری تلاش میں نکلوں گا۔ کہوں گا، 'یہ شرارتی بچی کہاں چھپی ہے؟'

''دونوں ہنس پڑے، اور آریا نے ساد کے گلے لگ کر کہا، ''بھائی، تم بہترین ہو۔ بس کبھی کبھی بوڑھوں جیسا مت بننا، اچھے نہیں لگتے، ورنہ لوگ کہیں گے، ساد بڈھا، وہ دونوں پھر سے ہنسے تھے

ساد نے سکیچ کو دیکھا، اس کی انگلیاں آریا کی مسکراہٹ پر پھریں۔ اس کے ہونٹوں پر ایک ہلکی سی مسکراہٹ آئی، لیکن اس کی آنکھیں دھندلا گئیں۔ ''آریا... تو کہاں ہے؟، اتنا بھی کوئی ناراض ہوتا ہے کیا۔ تم تو ہم کو اتنی بڑی سزا دے گئی ہو۔۔ پلیز آریا واپس اجاؤ کب آؤ گی؟'' اس نے دھیمی آواز میں پوچھا، جیسے وہ تصویر سے جواب مانگ رہا ہو۔ آج اسے گئے آٹھ مہینے ہو چکے تھے، لیکن آریا کی ہنسی اب بھی اس کے کانوں میں گونجتی تھی۔ اس کا دل جیسے اس کی شرارتوں، اس کی چہک، اور اس کی معصوم باتوں سے بھر گیا ہو۔

چھوٹی جان اس آریا کی بچی سے... اس نے دل میں دہرایا، اور ایک آنسو اس کی پلک سے ڈھل کر تصویر پر گرا۔

"ڈھونڈتا تھا، ایک پل میں دل جسے یہ سود فاع"

"ہے صبح ناراض اس بن، روٹھی شامیں دن خفا"

"وہ آئے نا، لے جائے نا، ہاں اس کی یادیں جو ہیں یہاں"

"ناراستہ، نا کچھ پتا، میں اس کو ڈھونڈوں گا اب کہا"

صبح ہو چکی تھی، لیکن سورج آج بھی بادلوں کے پیچھے چھپا تھا، جیسے وہ آسمان کے دکھ کو بانٹ رہا ہو۔

جنگل کے کنارے، ایک بلند پہاڑ کے کنارے پر، جہاں ہوا پتوں سے سرگوشیاں کر رہی تھی،

آریا ایک چٹان پر بیٹھی تھی۔ اس کے بال ہوا میں لہرا رہے تھے، اور اس کی آنکھیں دور وادی کی گہرائی میں کھوئی تھیں۔ نیچے جنگل کی گھنی چھاؤں میں پرندوں کی چہچہاہٹ گونج رہی تھی، اور ایک چھوٹا سہ جھرنا پہاڑ سے گرتا ہوا زمین کو سیراب کر رہا تھا۔ آریا کے ہاتھ میں ایک پھول تھا، جسے وہ بے دھیانی میں توڑ رہی تھی۔ عرفان دھیرے دھیرے اس کے قریب آیا، اس کے قدم پتھروں پر ہلکے سے پڑ رہے تھے تاکہ آریا کو پتا نہ چلے۔ اس کے ہاتھ میں ایک چھوٹا سا پتھر تھا، جس پر اس نے اپنی انگلیوں سے دل بنایا تھا۔ اس کا چہرہ جوش سے بھرا تھا، لیکن اس کی آنکھوں میں ایک ہلکی سی گھبراہٹ بھی تھی، جیسے وہ اپنی زندگی کا سب سے بڑا فیصلہ کرنے جا رہا ہو۔ وہ آریا کے پیچھے رُکا، اور دھیمی آواز میں بولا،

" آریا، کیا پھول کو توڑنے سے تیری اداسی کم ہو جائے گی؟" آریا چونک کر پلٹی، اس کی آنکھوں میں ایک لمحے کے لیے جھجھک جھلکی، پھر وہ ہنسی۔

"اوہ، عرفان! تُو یہاں؟ اور یہ کیا، اب تو پھولوں کا وکیل بن گیا؟" اس کی آواز میں شرارت تھی، لیکن اس کے چہرے پر ایک ہلکی سی دیوار تھی، جیسے وہ اپنے دل کو چھپا رہی ہو۔ عرفان نے مسکرا کر اس کے پاس بیٹھنے کی اجازت مانگی۔

"بیٹھ جاؤں؟ یا تو مجھے اس پہاڑ سے دھکا دے دے گی؟" اس نے ہنستے ہوئے کہا، اور آریا نے آنکھیں گھما کر کہا، "بیٹھ جا، لیکن زیادہ بکواس نہ کرنا۔ میں ویسے بھی موڈ میں نہیں ہوں۔"

عرفان اس کے پاس بیٹھ گیا، اس کی نظریں آریا کے چہرے پر جمی تھیں۔ "موڈ تو تیرا کبھی ٹھیک ہوتا ہی نہیں۔ لیکن سن، آج میں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔" اس کی آواز اچانک سنجیدہ ہو گئی، اور آریا نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

"کیا بات ہے؟" آریا نے پوچھا، اس کی آواز میں ایک ہلکی سی جھجک تھی۔ اس نے پھول کو مضبوطی سے پکڑ لیا، جیسے وہ اپنے دل کو سنبھال رہی ہو۔ "اگر تو پھر سے کوئی مذاق کرنے آیا ہے تو بتا دوں، میں اس جھرنے میں کود جاؤں گی!" عرفان ہنس پڑا، لیکن اس کی آنکھیں گہری تھیں۔ "نہیں، آریا۔ آج کوئی مذاق نہیں۔" اس نے اپنی

جیب سے وہ پتھر نکالا جس پر دل بنا تھا، اور اسے آریا کے ہاتھ میں رکھ دیا۔ ''یہ دیکھ۔ میں نے یہ تیرے لیے بنایا۔

''آریا نے پتھر کو دیکھا، اس کی انگلیاں دل کی لکیر پر پھریں۔ اس کا چہرہ ایک لمحے کے لیے نرم پڑا، لیکن پھر اس نے نظریں اٹھائیں۔ ''عرفان، یہ کیا ہے؟ تُو... تُو کیا کہنا چاہتا ہے؟'' اس کی آواز میں ایک عجیب سا خوف تھا، جیسے وہ کسی پرانے دھوکے کی یاد سے کانپ رہی ہو۔

عرفان نے گہری سانس لی، اس کی نظریں آریا کی آنکھوں میں جمی تھیں۔

'' آریا، میں جانتا ہوں کہ تیرے ساتھ پہلے بہت کچھ غلط ہوا۔ تُو ہر بار ہنستی ہے، لیکن تیری آنکھیں بتاتی ہیں کہ تُو کتنا دکھ چھپاتی ہے۔ لیکن میں... میں تیرے ساتھ وہ سب کچھ کرنا چاہتا ہوں جو تُو کبھی بھول نہ سکے۔'' اس نے آریا کا ہاتھ پکڑا، اس کی آواز میں ایک ایسی شدت تھی کہ، جیسے وہ اپنا دل اس کے سامنے رکھ رہا ہو۔ ''میں تیرے ساتھ ہر صبح اس پہاڑ پر بیٹھنا چاہتا ہوں۔ تیرے ساتھ اس جنگل میں بھاگنا چاہتا ہوں۔ تیرے ساتھ ہر وہ خواب دیکھنا چاہتا ہوں جو تُو دیکھتی ہے۔ آریا... میں تمھارا ہاتھ پکڑ کر اس گھاس پر بیٹھنا چاہتا ہوں، میں چاہتا ہوں کہ میں تمھیں وہ لمحے دوں جو تو بھلا نہ سکے

کیا تُو میری زندگی بنے گی؟

"آریا کی آنکھیں چھلک پڑیں، لیکن وہ ہنسی، جیسے وہ اپنے آنسوؤں کو چھپا رہی ہو۔ "عرفان، تُو جانتا ہے نا کہ میں ڈراموں والی لڑکی نہیں ہوں؟" اس نے ہنستے ہوئے کہا، لیکن اس کی آواز لرز رہی تھی۔ "اور ہاں، تیری یہ شاعری کہاں سے سیکھی؟ کوئی پھولوں والی کتاب پڑھ لی؟" اس نے مذاق کیا، لیکن اس کی نظریں عرفان کے چہرے پر جمی تھیں، جیسے وہ اس کی سچائی کو پرکھ رہی ہو۔ عرفان نے مسکرا کر اس کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑا۔ "ہاں، پھولوں والی کتاب تیرے چہرے سے پڑھی۔" اس نے ہلکے سے چھیڑا، پھر سنجیدہ ہو گیا۔ "آریا، میں جانتا ہوں کہ تجھے دھوکے ملے ہیں۔ لیکن میں وعدہ کرتا ہوں—میں تیرا دل کبھی نہیں توڑوں گا۔ یہ جنگل، یہ پہاڑ، یہ جھرنا—یہ سب گواہ ہیں کہ میں ہر سانس تیرے ساتھ جینا چاہتا ہوں۔" آریا کی سانس رُک گئی، اس کی آنکھیں عرفان کی آنکھوں میں کھو گئیں۔ اس نے پتھر کو مضبوطی سے پکڑا، جیسے وہ اس کے وعدے کو اپنے دل میں سمو رہی ہو۔ "عرفان... تُو جانتا ہے کہ میں ہر بار ڈر جاتی ہوں۔ ہر بار سوچتی ہوں کہ یہ بس ایک اور جھوٹ ہے۔" اس کی آواز دھیمی تھی، لیکن اس میں ایک گہری سچائی تھی۔ "لیکن تیری آنکھوں میں... تیری آنکھوں میں کچھ ہے جو

مجھے روک رہا ہے۔" عرفان نے اس کے ہاتھ کو اپنے دل پر رکھا۔" یہ سن۔ یہ دھڑکن تیرے لیے ہے۔ اگر کبھی یہ جھوٹ بولے تو اسے خود توڑ دینا۔" اس کی آواز میں ایک ایسی گرمجوشی تھی کہ آریا کی جھجھک پگھلنے لگی۔ آریا ہنسی، اس کے آنسو اس کی مسکراہٹ میں گھل گئے۔" اچھا، ڈرامہ بند کر! یہ کیا، فلم کا ہیرو بن رہا ہے؟" اس نے ہنستے ہوئے کہا، پھر دھیمی آواز میں بولی، "ٹھیک ہے، عرفان۔ میں... میں تیری بات مانتی ہوں۔ لیکن میرا بھروسہ جیتنا ہوگا۔۔۔ اگر اب تو نے مجھے دھوکا دیا تو اب میں مر جاؤں گی، آریا کی اس بات میں کئی سو سال پہلے آصف کی بات کی جھلک آئی تھی، جو آصف نے اسما کو کہی تھی،۔ مجھ میں اب کچھ نہیں بچا،، میں ایک کھالی وجود ہوں، جو اب تمھارے سامنے کھڑا ہے۔۔!"، لیکن اس کا دل عرفان کے وعدے سے بھر گیا تھا۔ عرفان نے خوشی سے اسے گلے لگایا، جیسے وہ اپنی پوری دنیا کو اپنی بانہوں میں سمو رہا ہو۔"تو بس دھمکیاں دیتی رہ، آریا۔ میں تیری ہر شرارت کے لیے تیار ہوں۔" دونوں ہنس پڑے،، شاید آریا نے ایک اور غلط فیصلہ کر لیا تھا، پر جنگل کی ہوا ان کی ہنسی کو لے کر دور تک گونجتی رہی۔ وہ دونوں چٹان پر بیٹھے رہے، اور ان کے ہاتھوں میں وہی پتھر تھا، جس پر دل بنا تھا۔ وہ اس نظارے کو دیکھتے ہوئے باتیں کر رہے تھے،

جھرنے کی آوازان کے وعدوں کے ساتھ گھل رہی تھی،اور جنگل کی چھاؤں ان کی محبت کو چھپا رہی تھی۔ بادل آہستہ آہستہ گہرے ہو رہے تھے۔ایسا لگ رہا تھا کہ کچھ دیر بعد بارش آجائے گی،

عادل نے نیند بھری آنکھیں کھولیں، جیسے خوابوں کی دنیا سے ابھی ابھی لوٹا ہو۔اس نے گردن گھما کر دیکھا—زوہیب اور انوشہ ابھی تک گہری نیند میں ڈوبے تھے، جیسے جنگل کی خاموشی نے انہیں اپنی گود میں سلا رکھا ہو۔وہ دھیرے سے اٹھ کر بیٹھ گیا،اس کے ہاتھ زمین پر پڑی گھاس کو چھو رہے تھے۔اس نے سر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا۔ بادل گہرے اور بھاری تھے،۔ جنگل کی ہوا میں نمی تھی،اور دور کہیں پرندوں کی دھیمی چہچہاہٹ گونج رہی تھی۔

عادل نے گہری سانس لی، کچھ سوچتے ہوئے اٹھا، اور پاس پڑی لکڑیوں کو جمع کرنے لگا۔ اس نے ایک مضبوط پناہ گاہ بنانی شروع کی،

لکڑیوں کو ایک دوسرے پر رکھتا ہوا، جیسے وہ اپنے خیالوں کو بھی ترتیب دے رہا ہو۔

کام کرتے ہوئے وہ دھیمے سے گنگنانے لگا،

اس کی آواز جنگل کی خاموشی میں گھل رہی تھی:

"میں تاں گل سے لپٹی تتلی کی طرح مہاجر ہوں

ایک پل کو ٹھہروں، پل میں اُڑ جاؤں

وے میں تاں ہوں پگڈنڈی، لبھدی اے جو راہ جنت کی

تُو مڑے جہاں، میں ساتھ مڑ جاؤں

تیرے کارواں میں شامل ہونا چاہوں

کمیاں تراش کے میں قابل ہونا چاہوں

وے کی کراں؟ وے کی کراں؟"

اس کی آواز میں ایک عجیب سی اداسی تھی، جیسے وہ اپنے دل کی گہرائی سے بول رہا ہو۔ انوشہ کی نیند اس گانے سے ٹوٹی۔ وہ دھیمی آواز میں، ابھی تک نیند سے بھاریا واز میں بولی، "یار، کیا گا رہا ہے؟" اس نے ہاتھ پھیلا کر انگڑائی لی، اس کی آنکھیں نیم وا تھیں۔ عادل نے مڑ کر اسے دیکھا، اس کے چہرے پر ایک ہلکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ انوشہ نے آنکھیں کھول کر پوچھا، "یہ کیا بنا رہا ہے؟" عادل نے آسمان کی طرف اشارہ کیا۔ "آج بارش ہونے والی ہے۔ اس لیے یہ پناہ گاہ بنا رہا ہوں۔" اس نے اپنا کیمپ کا کپڑا اٹھایا اور اس شلٹر کے اوپر ڈال دیا جیسے پانی اندر نا ائے" عادل نے شلٹر کو مضبوط کیا، اسے اتنا بڑا بنایا کہ تینوں آرام سے بیٹھ سکیں دو اور لوگ بھی آرام سے آجاتے،، جیسے اسے کسی مشکل کا اندیشہ ہو۔ اچانک بادل گرجے، آسمان جیسے غصے سے کانپ رہا ہو۔ زوہیب ابھی تک گہری نیند میں تھا، گرج کے باوجود اس کی آنکھ نہ کھلی۔ انوشہ نے ہنستے ہوئے کہا، "اس کے اوپر بجلی بھی گر جائے تو بھی نہ اٹھے! وہ خود اند بیٹھتے بولی "کچھ ہی دیر بعد بارش شروع ہو گئی، پہلے ہلکی پھوار، پھر تیز موسلا دھار۔ زوہیب اچانک پھٹاک سے اٹھا، اس کی

آنکھیں حیرت سے پھٹی تھیں۔ وہ ادھر ادھر دیکھنے لگا، جیسے اسے پتا ہی نہ ہو کہ وہ کہاں ہے۔ سامنے پناہ گاہ دیکھ کر وہ بھاگا اور اندر گھس گیا، اس کے کپڑے تر بھر ہو چکے تھے۔

"یہ کیا ہو رہا ہے!" وہ بڑبڑایا، اس کے بال چہرے پر چپک گئے تھے۔ انوشہ کی ہنسی چھوٹ پڑی، وہ ہنستے ہنستے دوہری ہو گئی۔ "زوہیب، تُو تو جیسے بھاگتا ہوا پاگل بکرہ لگ رہا ہے!" عادل نے انوشہ کی ہنسی دیکھ کر ہنسنا شروع کر دیا، وہ خود کو روک نہیں پایا۔ "یار، یہ تو فلم کا ہیرو بننے چلا تھا!" دونوں کی ہنسی جنگل میں گونج رہی تھی، جیسے بارش کی آواز کو چیلنج کر رہی ہو۔ زوہیب نے منہ بنایا۔ "ہاں ہاں، ہنس لو۔ تم دونوں کو تو بس موقع چاہیے!" کچھ دیر بعد سب پر سکون ہو گئے۔ بارش کی دھیمی آواز اب ان کے کانوں میں گھل رہی تھی۔ زوہیب نے نیند بھری آواز میں کہا، "یار، لگتا ہے ہم اس جنگل میں گم ہو چکے ہیں۔" اس نے اپنے گیلے بالوں کو ہاتھ سے ہٹایا۔ "عادل، تجھے کیا لگتا ہے؟" عادل نے کندھے اچکائے۔ "مجھے کیا پتا؟ میں تو تم دونوں کے ساتھ آیا ہوں۔ یہ جنگل اتنا بڑا اور گھنا ہے کہ سمجھ ہی نہیں آتا کہ ہم کہاں ہیں۔" اس کی آواز میں ایک ہلکی سی بے فکری تھی، جیسے وہ اس گمشدگی کو بھی ایک مہم جوئی سمجھ رہا ہو

۔تینوں بارش کو دیکھ کر لطف اندوز ہو رہے تھے۔پناہ گاہ کے نیچے بیٹھے،وہ جنگل کی خوبصورتی میں کھو گئے۔اچانک چند خرگوش،بارش سے بچنے کے لیے،بھاگتے ہوئے ان کی پناہ گاہ میں گھس آئے۔ان کی چھوٹی چھوٹی آنکھیں چمک رہی تھیں،اور ان کے سفید بال پانی سے تر تھے۔انوشہ نے خوشی سے ایک خرگوش کو اٹھالیا،اسے اپنی گود میں رکھ کر پیار کرنے لگی۔''اوہ،یہ تو کتنے پیارے ہیں!'' اس کا چہرہ خوشی سے چمک رہا تھا،جیسے وہ بچپن میں لوٹ آئی ہو۔

عادل نے انوشہ کے چہرے کو دیکھا،اس کی مسکراہٹ اس کے دل کو چھو گئی۔اس کی نظریں اس پر جمی رہیں،اور وہ ایک پرانی یاد میں کھو گیا،جیسے وقت چار سال پیچھے چلا گیا ہو۔

چار سال پہلے

ہمیشہ کی طرح عادل اس دن بھی انوشہ کو تنگ کرنے کے موڈ میں تھا۔وہ اپنے گھر کے صحن میں بیٹھا،ایک پتھر سے کھیل رہا تھا،اس کی آنکھوں میں شرارت جھلک رہی تھی۔

انوشہ اوپر سے تیار ہو کر آئی، اس کا حلیہ جیسے کسی پری کی کہانی سے نکلا ہو۔ اس نے ہلکے گلابی رنگ کا شلوار قمیض پہنا تھا، جس پر چاندی کے دھاگوں سے نازک کڑھائی تھی۔ اس کا دوپٹہ اس کے کندھوں پر ہلکا سا لہرا رہا تھا، اور اس کے لمبے بالوں کو اس نے ڈھیلا سا جوڑا بنایا تھا، جس سے چند لٹیں اس کے چہرے پر گر رہی تھیں۔ اس کے ہاتھوں میں چاندی کی چوڑیاں تھیں، جو چھن چھن کی آواز کر رہی تھیں۔ اس کا چہرہ ہلکی سی مسکراہٹ سے جگمگا رہا تھا، جیسے وہ کسی خوشی کے انتظار میں ہو۔

وہ سمینہ کے پاس آئی اور بولی، ''آنٹی، زوہیب کہاں ہے؟

اس سے کہیں کہ مجھے جنگل گھمانے لے جائے۔''

اس کی آواز میں ایک بچپنہ تھا، لیکن اس کی آنکھوں میں جوش جھلک رہا تھا۔

عادل نے سنتے ہی طنزیہ ہنسی ہنسا۔ ''جنگل؟ گھومنے کی چیز ہے؟'' اس نے چھیڑتے ہوئے کہا،

اس کی مسکراہٹ میں ایک شرارتی چمک تھی۔ انوشہ نے اسے گھورا اور منہ بنایا۔ ''تُو چپ کر، عادل! ہر بات میں ٹانگ کیوں اڑاتا ہے؟''

سمینہ نے عادل کی طرف دیکھا اور مسکراتے ہوئے کہا، ''انوشہ بیٹا، زوہیب کو سلطان کہیں لے گیا ہے۔

تم ایسا کرو، عادل کے ساتھ چلی جاؤ۔'' یہ سنتے ہی دونوں چونک پڑے۔

انوشہ نے گھبراتے ہوئے کہا، ''نہیں آنٹی، میں پھر کبھی چلی جاؤں گی''!

اس کی آواز میں جھجھک تھی، جیسے وہ عادل کے ساتھ جانے کے خیال سے ہی پریشان ہو۔

عادل نے اس کی گھبراہٹ دیکھ کر ایک دل جلانے والی مسکراہٹ دی۔ ''ٹھیک ہے، میں چلتا ہوں اس کے ساتھ۔ شہزادی کو جنگل گھمانے کا شوق ہے تو بھلا میں کیسے منع کروں؟

''اس کی آواز میں چھب تھی، جو انوشہ کو اور چڑا رہی تھی۔ انوشہ جل بھن گئی، لیکن اس نے خاموشی سے سر ہلایا۔ ''چلو، ٹھیک ہے۔ لیکن زیادہ بکواس نہ کرنا!'' اور میرا نام انوشہ ہے نا کہ شہزادی،

دونوں عادل کی پرانی، زنگ آلود گاڑی میں بیٹھ گئے۔ گاڑی کی سیٹوں پر دھول جمی تھی، اور اس کا ہارن جیسے کسی بھینس کی آواز نکال رہا تھا۔

انوشہ نے ناک سکیڑتے ہوئے کہا، ''یہ گاڑی ہے یا کوئی ٹریکٹر؟'' آواز ایسی ہے کہ کوئی پہاڑ گر رہا ہو،

عادل نے ہنستے ہوئے کہا، ''شہزادی، بس ایڈ جسٹ کر لو۔ جنگل کا ٹور کوئی آسمان پے تو نہیں!'' وہ۔

کچھ دیر بعد جنگل کے قریب پہنچے، جہاں عادل نے گاڑی روکی اور تالا لگایا۔

انوشہ گاڑی سے اتری اور کار کو دیکھتے، یے گاڑی ہے اس سے اچھا ہوتا کسی رپچھ کو لاتا،، وہ بڑبڑاتی آگے نکل گئی، اس کا دوپٹہ ہوا میں لہرا رہا تھا۔ عادل گاڑی کے پاس کچھ سامان چیک کر رہا تھا کہ اچانک انوشہ کی چیخ جنگل میں گونجی۔ عادل کا دل دھک سے رہ گیا۔ وہ بھاگتا ہوا اس کی طرف گیا، جہاں چار بدمعاش انوشہ کو گھیرے ہوئے تھے۔ ان کے چہروں پر گھٹیا ہنسی تھی، اور ایک نے انوشہ کو پیچھے سے پکڑ رکھا تھا، اس کے دوپٹے کو کھینچ کر پھینک دیا۔ اس بیغیرت نے، انوشہ رو رہی تھی، اس کی آواز میں خوف اور بے بسی تھی، جیسے وہ کسی مچھلی کی طرح چھٹپٹا رہی ہو۔ وہ عادل کی طرف دیکھ رہی تھی، جیسے کہ رہی ہو خدا کے واسطے بچاؤ مجھے،

عادل کا خون کھول اٹھا۔ اس کی آنکھیں غصے سے سرخ ہو گئیں، جیسے وہ کوئی جنگلی درندہ بن گیا ہو۔ وہ تیزی سے آگے بڑھا، ایک بدمعاش کو کالر سے پکڑا اور اس کے چہرے پر تین چار زوردار مکے مارے۔ اور اس کا سر زور سے درخت سے دے مارا، اور وہ ایک

طرف جا گرا۔ دوسرے نے عادل پر حملہ کرنے کی کوشش کی، لیکن عادل نے اس کا ہاتھ موڑ کر اسے زمین پر پٹخ دیا، اور اسے ٹانگ سے پکڑ کر زور سے گھمایا۔ اور وہ دور جا گرا، اس کی چیخ جنگل میں گونجی۔ جس بدمعاش نے انوشہ کو پکڑ رکھا تھا، اس نے گھٹیا ہنسی ہنستے ہوئے کہا، ''اکیلے کیا کر لے گا؟''

میں جو کرونگا وہ تم ساری زندگی نہیں بھولو گے،،

اس نے گراتے کہا جیسے وہ بے قابو ہو،

عادل نے ایک آدمی کے بال پکڑے اور غصے سے گرجتے ہوئے کہا، ''اگر جان پیاری ہے تو اسے چھوڑ دے!'' بدمعاش نے ہنستے ہوئے انوشہ کو اور زور سے پکڑا، جس سے وہ اور زیادہ تڑپنے لگی۔ عادل کا غصہ اب آسمان پر تھا۔

عادل نے اس شخص کا سر پکڑا اور اسے قریبی درخت سے زور سے ٹکرایا، ایک بار، دو بار، تین بار—ہر دھماکے کے ساتھ اس کا غصہ بڑھتا گیا۔''

کتے کی دم کبھی سیدھی نہیں ہوتی!'' عادل نے گرجتے ہوئے کہا، اور آخری بار اس کا سر اتنی زور سے مارا کہ وہ بدمعاش ڈر کے مارے انوشہ کو چھوڑ کر پیچھے ہٹ گیا۔ لیکن عادل رکنے والا نہیں تھا۔ وہ باقی بدمعاشوں کی طرف بڑھا، اس کا غصہ جیسے آگ کی لپیٹ بن گیا

ہو۔ایک نے چاقو نکالا، لیکن عادل نے تیزی سے اس کا ہاتھ پکڑا، چاقو چھین کر زمین پر پھینک دیا، اور اس کے پیٹ میں زوردار گھونسہ مارا۔دوسرا بدمعاش بھاگنے لگا، لیکن عادل نے اس کا پاؤں پکڑ کر اسے زمین پر گرایا، اور اس کے چہرے پر ایک مکا مارا کہ وہ بے ہوش ہو گیا۔تیسرے نے ہاتھ جوڑ کر معافی مانگی، لیکن عادل نے اسے کالر سے پکڑ کر اٹھایا اور گرجتے ہوئے کہا، ''دوبارہ اس طرف نظر بھی آئے تو زندہ نہیں چھوڑوں گا!'' اس نے اسے دھکا دیا، اور وہ بھاگ گیا۔عادل سانس لیتے ہوئے انوشہ کی طرف مڑا۔وہ زمین پر بیٹھی رو رہی تھی، اس کا چہرہ خوف اور آنسوؤں سے بھرا تھا۔عادل نے جھک کر اس کا دوپٹہ اٹھایا اور دھیرے سے اسے پہنایا۔''انوشہ ٹھیک ہو تم؟'' اس کی آواز میں غصہ اب بھی تھا، لیکن اس کے نیچے ایک گہری فکر چھپی تھی۔انوشہ نے سر ہلایا، لیکن اس کے آنسو رکنے کا نام نہ لے رہے تھے۔عادل نے اسے سہارا دے کر گاڑی تک پہنچایا اور اسے سیٹ پر بٹھایا۔انوشہ کافی دیر تک روتی رہی، اس کی ہچکیاں جنگل کی خاموشی میں گونج رہی تھیں۔عادل خاموشی سے اسے دیکھتا رہا، اس کا دل جیسے کسی نامعلوم درد سے بھر گیا ہو۔ انوشہ کے آنسو اس کے دل کو چھو رہے تھے، اور اسی لمحے اس کے دل کے کسی ایک کونے میں انوشہ کے لیے گھر بننے لگا—محبت کا ایک گھر، جو ابھی اسے خود بھی سمجھ نہ آیا تھا۔

موجودہ وقت

عادل یادوں سے باہر آیا۔ بارش ابھی بھی جاری تھی، جنگل کے پتے پانی سے چمک رہے تھے۔ اس نے انوشہ کو دیکھا، جو خرگوشوں کے ساتھ کھیل رہی تھی۔ اس کی ہنسی اب بھی وہی تھی—وہ ہنسی جو چار سال پہلے اس کے دل میں اتری تھی۔ زوہیب ایک کونے میں دوبارہ سو گیا تھا، اس کے خراٹوں کی آواز بارش کے ساتھ مل رہی تھی۔ عادل نے مسکرا کر سر ہلایا، جیسے وہ اس لمحے کی سادگی کو اپنے دل میں سمو رہا ہو۔۔ جنگل کی خاموشی میں، اس کے درمیان ایک خاموش رابطہ تھا—ایک محبت جو ابھی انکشاف کی منتظر تھی۔ جو یک طرفہ تھی، صرف عادل کی محبت

_____

نہروان شہر آج بھی ایسے ہی چمک رہا تھا۔ گھروں کی چھتیں سبز بیلوں سے ڈھکی تھیں، جو ہوا میں لہراتی ہوئی پھولوں کی مہک بکھیر رہی تھیں۔ دور پہاڑ کھڑے تھے، جیسے وہ شہر

کے محافظ ہوں،اوران کے دامن میں گھنا جنگل پھیلا تھا، جس کی ہر پتی پر زندگی سانس لیتی تھی۔ہوا ہلکی سی ٹھنڈی تھی، جیسے وہ جنگل کے راز اپنے ساتھ لے کر آئی ہو۔ساد ایک پتھریلی دیوار پر بیٹھا تھا،اس کی نظریں سامنے میدان میں جمی تھیں، جہاں کپتان زاہد نئے سپاہیوں کو تربیت دے رہا تھا۔زاہد کی آواز گرج رہی تھی،اس کا قد بلند اور کندھے چوڑے تھے، جیسے وہ خود ایک پہاڑ ہو۔وہ تلوار سے وار سکھا رہا تھا،اس کی ہر حرکت اتنی تیز کہ ہوا چیرتی ہوئی گزرتی تھی۔نہروان میں ساد کے بعد باسط اور پھر زاہد سب سے ماہر جنگجو تھے، لیکن ان سے جیتنا گویا چاند کو چھو لینے جیسا تھا۔باسط،،ساد کو بیٹھا دیکھ کر اس کے پاس آیا۔اس کے چہرے پر ایک ہلکی سی مسکراہٹ تھی، لیکن اس کی آنکھوں میں ایک گہرا راز جھلک رہا تھا۔وہ ساد کے پاس بیٹھا اور دھیمی آواز میں بولا،''ساد بھائی،ایک بات بتاؤ۔'' اس کا لہجہ جیسے کوئی راز جاننے کی تیاری کر رہا ہو۔ساد نے اس کی طرف دیکھا،اس کی آنکھوں میں ایک ہلکی سی اداسی تھی۔''بول، کیا بات ہے؟''باسط نے ہچکچاتے ہوئے پوچھا،''آریا کا کچھ پتا چلا؟'' اس کی آواز میں ایک ایسی شدت تھی، جیسے وہ ساد سے کوئی بات نکلوا رہا ہو۔ساد کی نظریں ایک لمحے کے لیے دھندلا گئیں، لیکن اس نے خود کو سنبھالا۔''نہیں دوست،ابھی تک کچھ پتا نہیں چلا۔'' اس نے گہری سانس لی،اس

کی آواز میں ایک مضبوط یقین تھا۔ ''انشاءاللہ مل جائے گی۔ ابھی میری شادی میں دو مہینے ہیں، میں پوری کوشش کروں گا۔'' اس کی نظریں زاہد پر جمی رہیں، جیسے وہ اپنے دل کے عزم کو اس کی تلوار کی چمک سے جوڑ رہا ہو۔ باسط نے کچھ دیر باتیں کیں، کبھی ہنسی مذاق، کبھی پرانی یادیں۔ پھر وہ اٹھا اور میدان کی طرف چلا گیا، جہاں زاہد کی آواز اب بھی گونج رہی تھی۔ سادو وہی بیٹھا رہا۔ اس کی انگلیاں بے اختیار اس کے گلے میں پڑے لاکٹ کو چھو رہی تھیں، جس میں آریا کی ایک چھوٹی سی تصویر تھی۔ تو کہاں ہے، آریا؟ اسی لمحے، ہیر اپنی ماں کے ساتھ گلی سے گزرتی ہوئی نظر آئی۔ وہ ہلکے نیلے رنگ کا شلوار قمیض پہنے تھی، اس کا دوپٹہ ہوا میں لہرا رہا تھا۔ اس کے بال ڈھیلے چھوڑے ہوئے تھے، اور اس کی چال میں ایک سادگی تھی، جیسے وہ نہر وان کی ہوا کے ساتھ رقص کر رہی ہو۔ وہ اپنی ماں سے ہنستے ہوئے باتیں کر رہی تھی، اس کی آواز پھولوں کی مہک کی طرح ہلکی تھی۔ اچانک اس کی نظر سادو پر پڑی، اور اس کا چہرہ ایک لمحے کے لیے سنجیدہ ہو گیا۔ اس نے اپنی ماں سے کہا، ''اماں، آپ گھر جائیں۔ مجھے سادو سے کچھ بات کرنی ہے۔'' ہیر کی ماں نے سادو دیکھا پھر اس سے حال چال پوچھا، اس کے چہرے پر ایک گرمجوش مسکراہٹ تھی۔ ''خیریت ہے، بیٹا؟ طبیعت کیسی ہے تم ٹھیک ہو'' سادو نے مسکرا کر سر ہلایا، ''جی، آنٹی۔ سب خیریت

ہے میں ٹھیک ہوں۔" ماں نے مسکرا کر ہیر کو دیکھا اور گھر کی طرف چل دیں۔ ہیر ساد کے پاس آئی اور دھیمی آواز میں بولی،

" ساد، مجھے تم سے بات کرنی ہے۔" اس کی آواز میں ایک ہلکی سی جھجھک تھی، جیسے وہ کوئی بڑا راز کھولنے جا رہی ہو۔ ساد نے اسے دیکھا، اس کے چہرے پر ایک ہلکی سی مسکراہٹ آئی۔

" ہاں، بولو۔" ہیر نے گہری سانس لی اور بولی، "ساد، کل ہم جہاں اس لڑکے اور لڑکی کو بچایا تھا..." وہ رکی، جیسے الفاظ کو ترتیب دے رہی ہو۔ ساد نے مسکراتے ہوئے کہا، "ہاں، مجھے یاد ہے۔" ہیر نے جھجھکتے ہوئے کہا، "ساد، وہ لڑکی... اس نے اپنا چہرہ نہیں دکھایا تھا۔ لیکن میں نے اس کا چہرہ دیکھ لیا تھا۔" اس کی آواز میں ایک عجیب سی شدت تھی، جیسے وہ کوئی دھماکہ کرنے والی ہو۔ ساد کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔ "اب یہ مت کہنا کہ وہ بہت خوبصورت تھی!" اس نے ہنستے ہوئے کہا، لیکن اس کی بات ادھوری رہ گئی۔ ہیر نے اسے ٹوکا، اس کی آنکھیں ساد کے چہرے پر جمی تھیں۔ "وہ واقعی خوبصورت تھی... کیونکہ وہ آریا تھی، ساد ہماری آریا۔"

سادپر جیسے بجلی گر گئی۔اس کا دل دھک سے رہ گیا،اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔"یے... یے تم کیا بول رہی ہو؟" اس کی آواز لرز گئی، جیسے وہ اپنے کانوں سنی پر یقین نہ کر سکا۔اس کا دل ہنسنا چاہتا تھا، رونا چاہتا تھا، لیکن وہ بس ہیر کو گھور رہا تھا، جیسے وہ اس سے سچ مانگ رہا ہو۔ہیر نے ساد کا ہاتھ پکڑا،اس کی آواز میں ایک گہری سچائی تھی۔

"ہاں، ساد۔ لیکن وہ ہم سے ابھی ناراض ہے۔ تم نے نہیں دیکھا، وہ ہم سے بات تک نہیں کر رہی تھی۔اس نے اس لڑکے کو بھی بول دیا کہ وہ اس کا نام نہ بتائے۔" اس کی آنکھوں میں ایک ہلکی سی نمی تھی، جیسے وہ آریا کے دکھ کو خود محسوس کر رہی ہو۔ساد کی آنکھیں دھندلا گئیں، لیکن اس کے چہرے پر ایک مضبوط عزم جھلکا۔اس نے دل میں فیصلہ کر لیا—چاہے کچھ بھی ہو جائے، وہ آریا کو گھر واپس لے آئے گا۔اس کا ہاتھ لاکٹ پر چلا گیا، جیسے وہ آریا کی تصویر سے وعدہ کر رہا ہو۔ میں تجھے ڈھونڈ لوں گا، آریا۔اسی لمحے، آسمان گرجا،اور ہلکی پھوار شروع ہو گئی۔نہروان کی پکی گلیوں پر پانی کی بوندیں موتیوں کی طرح جھلملانے لگیں۔گلیاں بارش میں اور زیادہ چمک رہی تھیں۔ساد نے ہیر کی طرف دیکھا،اس کی آواز دھیمی تھی۔

"تُو گھر جا، ہیر۔ بارش تیز ہو رہی ہے۔" ہیر نے سر ہلایا اور اپنے گھر کی طرف چل دی، اس کا دوپٹہ بارش کی بوندوں سے تر ہو رہا تھا۔ ساد بھی اٹھا، اس کے قدم اپنے گھر کی طرف بڑھے، لیکن اس کا دل آریا کی خبر سے بھرا تھا۔ بارش تیز ہوتی گئی، ہلکی پھوار اب موسلا دھار بن رہی تھی۔ نہروان کے سپاہی گلیوں میں کھڑے تھے، ان کے زرہ بارش میں چمک رہے تھے۔ وہ خاموشی سے آسمان کو دیکھ رہے تھے، جیسے وہ بارش کے ساتھ کوئی خوشی بانٹ رہے ہوں پر سردی سے خود کو چھپا بھی رہے تھے۔ دور پہاڑوں سے ہلکی ہوا اٹھ رہی تھی، جو جنگل کے درختوں کی شاخوں سے گزرتی ہوئی نہروان کی گلیوں میں سانس لیتی تھی۔ آج کا موسم الگ تھا—ٹھنڈ بڑھ رہی تھی، اور بارش کی آواز جیسے شہر کے ہر دل کی دھڑکن بن گئی تھی۔ ساد اپنے گھر کی طرف چلتا رہا، اس کا دل آریا کی امید سے جگمگا رہا تھا، جیسے بارش کی ہر بوند اسے کہہ رہی ہو کہ وہ اب قریب ہے۔

نہروان شہر پر موسلا دھار بارش برس رہی تھی، گلیوں کے پتھر پانی سے چمک رہے تھے، ہر بوند جیسے موتی بن کر گرتی اور نہروں میں گھل جاتی۔ گھروں کی چھتیں سبز بیلوں سے

ڈھکی تھیں، جو بارش میں لہراتی ہوئی مہک بکھیر رہی تھیں۔ دور پہاڑ کھڑے تھے، ان کے سر بادلوں سے چھپے،۔ جنگل سے اٹھتی ہوا ٹھنڈی تھی، اس میں پتوں کی سرسراہٹ اور بارش کی دھیمی گیت گونج رہی تھی۔ شہر بلکل خاموش تھا کوئی ہلچل نہیں تھی،، بارش کی وجہ سے کوئی باہر نہیں نکل رہا تھا،

حیدر اور ریحا بھی اپنے گھر کے آنگن میں بیٹھے تھے، جہاں ایک چھوٹی سی انگیٹھی کی سرخ چنگاریاں کمرے کو گرم رکھے ہوئی تھیں۔ ریحا کے ہاتھ میں ایک پرانا شال تھا، جسے وہ بے دھیانی میں سہلا رہی تھی—حیدر کی نظریں انگیٹھی کی آگ پر جمی تھیں،، جیسے وہ آریا کی ہنسی کو اب بھی سن رہا ہو وہ کل والے خیال سے نہیں نکلا تھا۔ دونوں خاموش تھے، لیکن ان کے دل جیسے ایک ہی دھن گا رہے تھے—

اچانک دروازہ کھلا، اور ساد اندر آیا۔ اس کے کپڑے بارش سے تر تھے، بال چہرے پر چپکے ہوئے تھے، لیکن اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک تھی، اسے، ساد اپنے بال سہی کرنے لگا،

، ''کیا چل رہا ہے؟'' ریحا نے اس کی طرف دیکھا، اور حیدر بھی،

'' بس کچھ نہیں، بیٹا۔ تو بتا، آج تو بڑا خوش لگ رہا ہے۔ کیا بات ہے؟

”اس کی آواز میں ایک ماں کی گرمجوشی تھی، لیکن اس کے نیچے ایک گہری امید چھپی تھی۔ حیدر نے سر اٹھایا، اس کا چہرہ سنجیدہ تھا۔

“ ہاں، سادایسی کیا خبر ہے؟” اس کی آواز میں ایک ہلکی سی خوشی جھلکی،۔ سادنے ریحا کا ہاتھ پکڑا، اس کی انگلیاں ہلکی سی کانپ رہی تھیں سردی سے۔ وہ مسکرایا،۔

“ امی، ابو... مجھے آریا کا پتا چل گیا ہے۔” اس کی آواز میں ایک ایسی شدت تھی، کہ جیسے وہ برسوں کی تڑپ کو لفظوں میں سمو رہا ہو۔ کمرے میں سناٹا چھا گیا۔ ریحا کی سانس رُک گئی، اس کا ہاتھ شال پر جم گیا۔ اس کے کان کئی مہینوں بعد آریا کا نام سن رہے تھے۔ حیدر کی نظریں سادپر جمیں، اس کا چہرہ حیرت اور خوشی کے درمیان جھول رہا تھا۔ ریحا نے لرزتی آواز میں پوچھا، ”سچ... سچ کہہ رہے ہو نہ تم،

“ وہ واپس آئے گی؟؟” حیدر نے گہری سانس لی، اس کی آواز سخت لیکن درد بھری تھی۔

اور یہ بتا، اس کی ناراضگی کی وجہ کیا ہے؟ آج کوئی جھوٹ یا بہانہ نہیں، سادـ” اس کا لہجہ جیسے ایک باپ کی پکار ہو، جو اپنی بیٹی کے دکھ کا حساب مانگ رہا ہو۔

سادنے ریحا کی طرف دیکھا، اس کی ماں کی آنکھیں اس سے سچ کی التجا کر رہی تھیں۔

اس نے سر جھکایا، جیسے وہ اپنے گناہوں کا بوجھ اٹھانے کی ہمت جمع کر رہا ہو۔

ابو بات تب کی ہے جب یہ قافلہ نیا نیا آیا تھا... تب میں ہیر سے ملا تھا، تب وہ مجھے اچھی لگنے لگی تھی۔ وہ پسند آ رہی تھی اس کی باتیں اس کا ہنسنا" اس کی آواز دھیمی تھی، جیسے وہ ہر لفظ کو اپنے دل سے کھینچ رہا ہو۔"میں یہ سب آریا کو بتاتا تھا۔ وہ شرارتی تھی، چنچل سی۔

ایک دن اس نے مذاق میں یہ باتیں آپ کو بتا دیں کہ میں ایک لڑکی پر نظریں ڈال کے بیٹھا ہوں۔ میں جانتا تھا کہ وہ مذاق کر رہی تھی، لیکن اس وقت مجھے صادیہ یاد آئی۔ مجھے لگا کہ صادیہ کو کھونے کی وجہ صرف آریا تھی "سا دنے رُک کر حیدر کی طرف دیکھا، اس کی آنکھیں دھندلا رہی تھیں۔"جب صادیہ میرے قریب ہوتی تھی، آریا اسے میرے پاس نہیں بیٹھنے دیتی تھی اور وہ اس سے جلتی تھی،۔ مجھے پتا تھا کہ آریا مجھ سے پیار کرتی تھی، بہن کی طرح۔ لیکن میں... میں ہوش میں نہیں تھا۔ مجھے ڈر تھا کہ صادیہ کی طرح ہیر بھی مجھ سے چھن جائے گی۔" اس کی آواز لرز گئی، جیسے وہ اپنی کمزوری کا اعتراف کر رہا ہو۔

" جب آریا نے کہا کہ آج کے بعد ہیر سے کم ملا کرو، تو مجھے غصہ آ گیا۔ میں وہاں سے چلا گیا۔

"ریحا اور حیدر خاموشی سے سن رہے تھے، ان کی نظریں ساد کے چہرے پر جمی تھیں، جیسے وہ اس کے ہر لفظ کو اپنے دلوں میں سہہ رہے ہوں۔ ساد نے سر جھکایا۔

" پھر میں آریا سے دور ہوتا گیا۔ لیکن وہ پھر بھی میرے قریب رہتی تھی، جیسے اس کا کوئی اور نہ ہو۔" انگیٹھی کی آگ دھیمی پڑ رہی تھی، لیکن ساد کی کہانی جیسے کمرے میں ایک نئی آگ بھڑکا رہی تھی۔ اس نے آگے کہا، "ایک سرد شام کو میں ایک ہار بنا رہا تھا۔ آریا وہاں آئی۔ اس نے کہا کہ وہ مجھ سے بات کرنا چاہتی ہے۔ میں نے اسے دلاسا دینے کے لیے مسکرا کر بیٹھنے کو کہا۔ میری مسکراہٹ دیکھ کر اس کا چہرہ کھل اٹھا، جیسے وہ سب بھول گئی ہو۔ وہ بیٹھ گئی۔" ساد کی آواز بھاری ہو گئی۔ تب میں نے وہ ہار بنا لیہ میں نے سوچا کہ ہار پھر سے نہ ٹوٹ جائے" میں نے اس سے کہا کہ وہ وہیں رہے، اور میں اسے بیٹھنے کا کہتے وہاں سے چلا گیا، لیکن جیسے ہی میں ہیر کے پاس گیا، آریا کی بات میرے ذہن سے نکل گئی۔ ہیر نے بعد میں بتایا کہ وہ ساری رات میرا انتظار کرتی رہی، اور وہیں سردی میں سو گئی۔" ریحا نے اپنا منہ ہاتھوں سے چھپا لیا، "میری بچی..." اس کے منہ سے یہ الفاظ

بے ساختہ نکلے، جیسے اس کا دل پگھل رہا ہو۔اس کی آنکھیں جیسے آریا کی اس رات کو دیکھ رہی ہوں، جب وہ تنہا انتظار کرتی رہی۔حیدر خاموش بیٹھا تھا،اس کی مٹھی بھنچی ہوئی تھی، لیکن اس کی آنکھیں ایک باپ کے درد سے بھری تھیں۔

ساد نے آگے کہا،

" ایک دن میں نے ہیر سے پوچھا کہ کیا وہ میرے ساتھ شادی کر کے زندگی گزارے گی۔وہ گھبرا گئی اور اس نے ناں کہہ دیا۔مجھے غصہ آیا۔میرے دماغ میں بس یہی آیا کہ یہ سب آریا نے کیا ہو گا۔پر جب وہ میرے پاس آئی مجھ سے پوچھنے تو میں اس پے بھڑک گیا اور الٹا سیدھا بول گیا"

اس نے اپنا چہرہ ہاتھوں میں چھپا لیا، جیسے وہ اپنی شرم سے بھاگنا چاہتا ہو۔حیدر نے غصے سے گرجتے ہوئے کہا،"بس کرو، ساد! یہ ڈرامہ بند کرو اور بتاؤ کہ تم نے اس کے ساتھ اور کیا کیا!" اس کی آواز میں ایک باپ کا غم اور غصہ تھا،

ساد نے لرزتی آواز میں کہا، میری باتوں نے اس کا دل چیر کہ رکھ دیا تھا تو وہ روتی ہوئی چلی گئی۔لیکن مجھے ہوش نہ آیا۔اگلے دن ہیر نے رضامندی ظاہر کی میں خوش ہو گیا، لیکن میں نے آریا سے بات تک نہ کی۔کچھ دن بعد ہیر اور آریا جنگل گئے، جہاں ان پر حملہ ہوا۔

جب میں نے دیکھا کہ باسط ہیر کو بے ہوش لا رہا ہے، لیکن آریا چلتی آ رہی ہے، تو میرا غصہ آسمان کو جا لگا، ''اس کی آنکھیں چھلک پڑیں۔''میں نے اس سے ایسی باتیں کیں...ایسی باتیں جو کوئی بھائی نہیں کہتا۔اور اس پے الزام لگائے ''اس نے رُک کر ریحا کی طرف دیکھا،اس کی آواز جیسے زخموں سے بہہ رہی ہو۔

حیدر نے دانت پیستے ہوئے چلایا

" کیا کہا تم نے؟ بولو!'' ریحا کے آنسو اس کے شال پر گر رہے تھے۔

سا د نے سر جھکایا،اس کی آواز جیسے کسی مجرم کی سزا تھی۔''میں نے کہا، کہ تم بیوقوف ہو۔ تمہارا دماغ خراب ہے۔اور کہا کہ... تم میری سگی بہن نہیں ہو۔تم کو ہم نے جنگل سے اٹھایا تھا، کیونکہ تمھارے والدین مر چکے تھے، تم اپنے ماں باپ کو کھا گئی

۔'' یہ کہتے ہی حیدر کا چہرہ ساکت ہو گیا۔اس کی آنکھوں سے ایک آنسو بہہ نکلا، جو اس کے گال سے گرتا ہوا زمین پر جذب ہو گیا۔ریحا رو پڑی تھی،اس کا دل جیسے چور چور ہو گیا ہو۔

سا د نے آگے کہا،''میں نے کہا کہ تم جنگلی ہو۔جہاں جاتی ہو، مصیبت لاتی ہو۔پہلے اپنے ماں باپ کو کھا گئی، پھر میری صادیہ کو،اور اب ہیر کے پیچھے ہو۔جان چھوڑ دو ہماری میں

نے اس کے آگے ہاتھ جوڑے تھے" اس کی آواز کانپ رہی تھی، جیسے وہ اپنے الفاظ سے خود زخمی ہو رہا ہو۔" مجھے نہیں پتا تھا کہ وہ زخمی تھی۔ وہ لڑکھڑائی، اور بے ہوش ہونے لگی۔ باسط نے اسے بچایہ میرے ہوتے ہوئے، پھر ہیر نے دو ہفتے بعد بتایا کہ جنگل جانے کا فیصلہ آریا کا نہیں، اس کا تھا۔ وہ زخمی ہیر کو بچانے کی وجہ سے ہوئی تھی۔" ساد کے آنسو بہہ رہے تھے، وہ جیسے کسی قیدی کی طرح سر جھکائے بیٹھا تھا۔" میں غلط تھا۔ میں نے جو وعدے کیے — کبھی اسے تنہا نہ چھوڑنے کے — وہ پورے نہیں کیے۔ میں اچھا بھائی نہیں بنا۔" اور میں نے کہا کہ جان چھوڑ دو ہماری۔۔ تو وہ سچ میں چھوڑ کے چلی گئی،، جب میں اکیلا ہوتا تھا تو وہ میرے ساتھ ہوتی تھی، مگر میں نے اسے تنہا چھوڑ دیا،،

وہ رو پڑا، اس کی ہچکیاں بارش کی آواز سے مل رہی تھیں۔

حیدر نے اپنے آنسو صاف کیے، وہ اٹھا اور ساد کو سینے سے لگا لیا، جیسے وہ اپنے بیٹے کے پچھتاوے کو اپنے دل میں سمو رہا ہو۔ اس کی آواز بھاری تھی، لیکن اس میں ایک باپ کی محبت تھی۔" جا، ساد۔ آریا کو ڈھونڈ۔ اسے گھر لے آ۔ تیری شادی پر وہ یہاں ہونی چاہیے۔" ساد نے سر ہلایا، اس کی آنکھوں میں ایک نیا عزم جھلک رہا تھا۔ وہ مسکرایا، لیکن اس کی مسکراہٹ میں دکھ اور امید دونوں تھے۔ باہر بارش تیز ہو رہی تھی، جیسے وہ آریا

کے تنہا دل کی آواز بن گئی ہو۔ شاید بارش بھی رو رہی تھی، کیونکہ ساد کو سہارا دینے کہ لیے، تو اس کا باپ تھا پر اس وقت آریا کے پاس کوئی سہارا نہ تھا وہ تنہا ہو کہ گھر سے نکلی تھی۔ انگیٹھی کی آخری چنگاری بجھ گئی۔

آسمان پر کالے بادل اب بھی چپ چاپ تیر رہے تھے۔ بارش تھم چکی تھی، مگر اس کی نمی اب بھی فضا میں گھلی ہوئی تھی۔ ہر پتّا، ہر شاخ بارش سے دھلا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ آریا خاموشی سے ایک لکڑی کی کرسی پر بیٹھی تھی، ہاتھ میں چائے کا کپ لیے۔ وہ ایک ٹک سامنے کے میدان میں گھور رہی تھی جہاں دور کہیں زمین اور آسمان آپس میں ملتے تھے۔

اس کے چہرے پر وہی ہلکی سی مسکراہٹ تھی، جو اکثر تنہائی میں بھی انسان کو اپنائیت کا احساس دلاتی ہے۔
ایسا لگ رہا تھا جیسے آج فطرت نے اسے دل سے اپنایا ہو۔

وقت گزرتا گیا، چائے ختم ہوئی، شام مزید گہری ہوئی۔

"کہاں ہے عرفان؟" ابھی تک کیوں نہیں آیا،

اس کے دل میں سوال ابھرے۔

وہ آہستہ آہستہ آنگن میں ٹہلنے لگی۔ ایک ادھورے انتظار کی سی کیفیت تھی۔

پھر اچانک سامنے سے عرفان نمودار ہوا۔ اس کے چہرے پر، تھکن اور مسکراہٹ دونوں ایک ساتھ چمک رہے تھے۔

عرفان (مسکراتے ہوئے، کرسی پر بیٹھتے):

"ہائے قاتل حسینہ، کیسا گزرا دن؟"

آریا (مدھم سی مسکراہٹ کے ساتھ):

"بہت مزا آیا... جیسے بارش نے دل کا بوجھ دھو دیا ہو۔"

عرفان (شرارتی لہجے میں):

"اور مجھے یاد نہیں کیا؟"

آریا (چائے کا کپ تھامے، شوخ انداز میں):

"نہیں۔"

عرفان (ناراضگی سے منہ بناتے ہوئے):

"اچھا ٹھیک ہے، یہ لو۔"

(وہ اپنی جیب سے کچھ کھجوریں نکالتا ہے اور پانی کی ایک چھوٹی بوتل دیتا ہے)

آریا (حیرت سے):

"یہ... کھجوریں؟"

عرفان(پیار سے):

"ہاں،ایک قافلے والے نے دی ہیں۔

یہ مدینے کی کھجوریں ہیں،اور یہ پانی...زمزم کا ہے۔"

آریا کے چہرے پر ایک نور سا چھا گیا۔

اس نے آسمان کی طرف دیکھا،آنکھیں بند کیں اور مدھم آواز میں کہا:

"یااللہ،تیرا شکر ہے۔"

پھر وہ اسے پچھلے صحن میں لے گئی،جہاں اس نے کچھ پھول لگا رکھے تھے۔عرفان نے دیکھ کر خوشی سے سر ہلایا۔

"یہ تو ہمارے گھر کو جنت بنا دیں گے۔"

آریا۔۔ہاں بلکل عرفان ہمیں جنت کی تو چاہیے۔۔

شام رات میں بدلنے لگی۔آسمان پر ہلکی ہلکی سی نمی لوٹنے لگی۔

آریااور عرفان نے مل کر سادہ سا مگر خوشبودار کھانا بنایا۔کھانا کھایااور پھر دونوں نے ہنستے ہنستے برتن دھوئے۔

پھر آریااپنے کمرے میں گئی۔ارادہ سونے کا تھا،

وہ چھوٹاسا کمرہ جس کی کھڑکی باہر سبز میدان میں کھلتی تھی۔

وہ اپنے بستر پر کچھ سیٹ کر رہی تھی،کہ پیچھے سے عرفان آیا۔

اس نے آریاکو نرمی سے تھام لیا۔

"عرفان!"آریانے حیرت سے کہا،

"یہ کیا کر رہے ہو؟"

عرفان(پیار سے):

"بس اپنی آریاکے ساتھ پیار کر رہاہوں...

آج کی رات، بس تمہارے ساتھ..." آریا کو اپنی جانب گھمایا۔

)اس نے ہونٹ آریا کے ہونٹوں پر رکھ دیے —— ایک لمحہ، جیسے وقت تھم گیا ہو(

آریا نے کچھ نہیں کہا... اس کی پلکیں نیچی تھیں، جیسے وہ بھی اس خاموشی میں پناہ ڈھونڈ رہی ہو۔

جیسے وہ اس سکون میں کھو جانا چاہتی تھی،

عرفان نے پھر ایک قدم آگے بڑھایا۔

وہ بستر پر جا گرا —— نرماہٹ اور خوشبو سے بھرا وہ بستر —— جہاں زندگی کی ایک نئی داستان نے جنم لینے لگی تھی۔

"یہ میرا بستر ہے..." آریا نے مدھم لہجے میں کہا۔

"اور آج کی رات، یہ ہمارا ہے..." عرفان نے دھیرے سے جواب دیا۔

آریا(نرمی سے):

"نہیں،ابھی...ہماری شادی نہیں ہوئی۔"

وہ بات مکمل بھی نہ کر پائی تھی کہ عرفان نے اس کی کلائی سے کھینچ لیا—

آریا اس کے سینے سے جا لگی،اس کی سانسیں گھلنے لگیں۔

عرفان(آنکھوں میں جذب سا طوفان لیے):

"ویسے بھی،شادی تو ہو ہی جائے گی...

جب تم راضی ہو"...

بارش کی ہلکی ہلکی بوندیں دوبارہ شروع ہو چکی تھیں۔

ٹھنڈی ہوا کھڑکی سے اندر آ رہی تھی۔

چراغ مدھم ہو چکا تھا۔

اوران دونوں کی خاموشی میں ایک سکون، ایک بندھن جنم لے رہا تھا—ایسا بندھن جس کا گواہ صرف رات تھی، بارش تھی... اور وہ خاموشی جو محبت کی گہرائی سے نکلتی ہے۔

"یے راتیں، یے موسم، ندی کا کنارہ، یہ چنچل ہوا"

"کہا دو دلوں نے، کہ مل کر کبھی ہم، نہ ہونگے جدا"

۔جنگل کا راستہ سو کھ چکا تھا، کیونکہ تیز ہوا نے رات بھر پتوں کو سہلایا تھا۔ کہیں کہیں مٹی ابھی بھی نم تھی،۔انوشہ، عادل، اور زوہیب اپنی پناہ گاہ سے نکلے۔ عادل نے اپنا کیمپ کا کپڑا سمیٹ لیا تھا، اور اس کی تلوار اس کے کندھے پر چمک رہی تھی۔ زوہیب کی طرف

دیکھ کر اس نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا، ''زوہیب، جا، کوئی پھل توڑ لا۔ بھوک لگ رہی ہے، پھر سفر شروع کریں گے۔

''زوہیب نے آنکھیں گھمائیں۔ ''یار، آگے چلتے ہیں، کچھ نہ کچھ مل جائے گا! وہاں کھا لیں گے'' اس کی آواز میں ہلکی سی کاہلی تھی۔ انوشہ نے عادل کو دیکھا، پھر زوہیب کی طرف نظریں موڑیں۔ ''چلو، بس چلتے ہیں۔'' اس کی آواز میں ایک عجیب سی بے چینی تھی، جیسے وہ جنگل کی خاموشی سے ڈر رہی ہو۔

عادل نے کندھے اچکائے۔ ''ٹھیک ہے، چلو۔'' وہ پناہ گاہ سے نکلا، اور تینوں نہر کے کنارے چل پڑے۔

آس پاس خدا کے رنگین نظارے پھیلے تھے—ہرے بھرے درخت، رنگ برنگے پھول، اور نہر کا شفاف پانی جو چٹانوں سے ٹکرا کر موسیقی بجا رہا تھا۔

چار گھنٹے بعد

عادل نے نہر کے کنارے رکنے کا فیصلہ کیا۔اس کا گلا خشک ہو چکا تھا،اور وہ پانی پینے کے لیے جھکا۔لیکن اچانک اس کی نظریں ایک خطرے پر پڑیں——وہاں لو ٹیرے کھڑے تھے،وہی گروہ جو جنگل میں خوف پھیلاتا تھا۔ان کے چہروں پر گھٹیا ہنسی تھی،اور ہاتھوں میں خنجر چمک رہے تھے۔

" ششش !" عادل نے فوراً انوشہ اور زوہیب کو چپ رہنے کا اشارہ کیا۔

اس کی آنکھوں میں چوکسی تھی۔"میرے پیچھے چلو،آہستہ سے۔" وہ دھیمے قدموں سے آگے بڑھا،اور تینوں چپکے سے لو ٹیروں سے دور نکل گئے۔کچھ دیر بعد وہ ایک کھلے میدان میں پہنچے۔یہ میدان جنت کا ایک ٹکڑا تھا——ہری بھری گھاس،سرخ،نیلے،اور پیلے پھول،اور آسمان پر گہرے بادل،جو ابھی دوڑ رہے تھے،

عادل نے سانس لی،جیسے اس خوبصورتی کو اپنے دل میں سمو رہا ہو۔تینوں تھک کر زمین پر بیٹھ گئے،

کون تھے وہ،،زوہیب نے پوچھا،وہ آدم خور لٹیرے ہیں،ان کو گر کھانا نا ملے تو وہ انسان کو بھی نہیں چھوڑتے،،،خیر اب ان سے ہم دور ہیں،

انوشہ نے ایک پھول توڑا اور اسے گھومانے لگی۔ زوہیب نے ایک چھوٹا سا پتھر اٹھایا اور اسے ہوا میں اچھالنے لگا۔

لیکن اچانک ہوا بدلی۔ ایک آدمی عادل پر گرا، اور اس سے پہلے کہ وہ سنبھلتا، اس کی ٹانگوں پر زوردار حملہ ہوا۔ "آہ!" عادل کی چیخ میدان میں گونجی،

اور وہ گھٹنوں کے بل گر پڑا۔ اور اس کی تلوار اس کے کندھے سے نکل کر دور جا گری۔ انوشہ اور زوہیب چونک کر اٹھے۔ ان کے سامنے ایک آدمی آ کھڑا تھا—

رعید۔۔۔ الظاہر کا ایک سفاک جنگجو۔ اس کے پیچھے چھ اور آدمی تھے، جن کے چہروں پر شیطانی مسکراہٹ تھی۔ رعید کے ہاتھ میں ایک خنجر تھا، جو خون کی پیاس سے چمک رہا تھا۔ "اوہ، تو تم لوگ یہاں گھوم رہے ہو!" رعید نے طنزیہ ہنسی ہنسا، اس کی آواز جیسے زہر میں ڈوبی ہو۔

" عادل، باس الظاہر نے تم پر غداری کا الزام لگایا ہے۔ اور حکم ہے کہ تمہارا سر تن سے جدا کر کے لے کر جاؤں۔" عادل نے درد سے کراہتے ہوئے اسے گھورا۔ اس کی آنکھوں میں غصہ تھا، لیکن وہ سنبھل کر کھڑا ہوا۔ "ہاں میں نے کی ہے غداری۔۔

رعید۔" اس کی آواز پختہ تھی، جیسے وہ اپنی سچائی پر ڈٹ گیا ہو۔ رعید نے زوہیب اور انوشہ کی طرف دیکھا، اس کے چہرے پر ایک مکروہ مسکراہٹ پھیل گئی۔ "ایک اور بات بتاتا ہوں... ان دونوں کو بھی مارنے کا حکم ہے۔" زوہیب نے حیرت سے پوچھا، "کون ہو تم لوگ؟ اور ہمیں کیوں مارنا چاہتے ہو؟" اس کی آواز میں بے بسی تھی، جیسے وہ اس ظلم کی وجہ سمجھنے کی کوشش کر رہا ہو۔

رعید نے زوہیب کی طرف دیکھا، اور اچانک اس کے چہرے پر گھونسہ مارا۔ زوہیب کے ہونٹوں سے خون بہنے لگا، اور وہ زمین پر گر پڑا۔ رعید نے اپنا ہاتھ سہلایا، جیسے اسے زوہیب کو مارنے میں مزہ آیا ہو۔ "وجہ؟" وہ عادل کی طرف مڑا۔ "یہ تمہاری وجہ سے ہے، عادل۔ اس نے عادل کی طرف اشارہ کیا

"انوشہ غصے سے چلائی، "تمہاری ہمت کیسے ہوئی اسے مارنے کی!" وہ زوہیب کے پاس بھاگی، لیکن رعید نے اس کے بال پکڑ لیے۔ "بہت بولتی ہو، لڑکی! مجھے چپ کرانا بھی آتی ہے،" اس نے خنجر انوشہ کی گردن کے قریب لے آیا، اس کی آنکھوں میں ایک شیطانی چمک تھی۔

" نہیں!" عادل کی چیخ میدان میں گونجی۔وہ لنگڑاتے ہوئے آگے بڑھا،اس کی آواز بھرائی ہوئی تھی۔"رعید،اسے چھوڑدے... پلیز،اسے چوٹ نہ پہنچانا!"رعید کے چہرے پر ایک زہریلی مسکراہٹ پھیل گئی، جیسے وہ عادل کی کمزوری سمجھ گیا ہو۔وہ انوشہ کو دھکادے کر عادل کے پاس آیا۔

" توٹھیک ہے،عادل۔ تیری سزا سے شروع کرتے ہیں۔"رعید نے عادل پر حملہ کر دیا۔اس کے مکے عادل کے چہرے، سینے،اور پیٹ پر برسے،۔اس کے ساتھ ہی ایک اور آدمی نے زوہیب کو مارنا شروع کر دیا۔زوہیب کی چیخیں میدان میں گونجیں، لیکن عادل کی حالت زیادہ خراب تھی. کیونکہ زوہیب کو کم مارا تھاان لوگوں نے۔رعید نے اسے زمین پر گرادیا،اس کے جسم پر لاتیں ماریں،اس کا چہرہ خون سے لت پت ہو گیا۔ لیکن اس کی آنکھوں میں اب بھی ایک چنگاری تھی

۔رعید تھک کر رکا،اس کی سانس پھولی ہوئی تھی۔وہ ہنستے ہوئے بولا،"ارے، یہ تو ابھی سے ہار مان کر بیٹھ گئے!" اس نے عادل اور زوہیب کو گھورا،جو زمین پر پڑے درد سے کراہ رہے تھے۔"اب بتاؤ، پہلے کسے ماروں؟" وہ زوہیب کی طرف بڑھا،اس کا خنجر چمک رہا تھا۔انوشہ چیخ پڑی، "نہیں!اسے مت مارو!" وہ بھاگ کر زوہیب کے سامنے

کھڑی ہو گئی، اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ وہ روتے ہوئے رعید کے سامنے ہاتھ جوڑنے لگی۔ ''پلیز... اسے چھوڑ دو!'' رعید نے ڈرامائی انداز میں ہنستے ہوئے کہا، '' اوہ، چچ چچ چچ! تو اسے بچانا چاہتی ہے؟

تو پھر پہلے تجھے ماروں؟'' اس نے اپنی بندوق انوشہ کے سر پر رکھ دی، اس کی آواز میں ایک شیطانی لطف تھا۔ ''نہیں!''، اس کے ہونٹوں سے خون بہ رہا تھا۔ ''رعید، اگر مارنا ہی ہے تو مجھے مار! یہ ڈرامہ کیوں کر رہا ہے؟'' عادل کی آواز میں غصہ تھا، لیکن اس کے نیچے ایک گہری بے بسی چھپی تھی۔

رعید کی آنکھوں میں چمک آئی، جیسے وہ عادل کے دل کو توڑنے چاہتا ہو۔۔

وہ مسکرایا اور بولا،

'' اچھا، ایک گیم کھیلتے ہیں۔'' اس نے انوشہ کی طرف دیکھا۔ ''لڑکی، تو فیصلہ کر—— کون بچے گا، اور کون مرے گا؟ عادل یا یہ لڑکا؟ لیکن یاد رہے، ایک ہی کو چننا ہے۔ اگر کہا کہ دونوں کو چھوڑ دو، تو میں تجھے مار دوں گا۔'' وہ رکا، پھر زہریلی مسکراہٹ کے ساتھ بولا، ''یا پھر... اگر تُو دونوں کو بچانا چاہتی ہے، تو اپنی جان دے دے۔ فیصلہ تیرے ہاتھ

میں ہے۔"میدان میں ایک گہری خاموشی چھا گئی۔۔انوشہ نے عادل اور زوہیب کو دیکھا۔عادل زمین پر بازو پکڑے بیٹھا تھا،

،لیکن اس کی آنکھیں انوشہ کو دیکھ رہی تھیں جو سامنے زوہیب کے پاس کھڑی عادل کو ہی دیکھ رہی تھی——۔اس کے ہونٹوں سے خون بہہ رہا تھا،اور اس کی آنکھوں میں خوف تھا۔انوشہ کی سانس رکی،اس کے آنسو زمین پر گر رہے تھے۔اس نے گہری سانس لی،اور اس کی آواز دھیمی لیکن پختہ تھی۔

" میں اسے بچانا چاہوں گی، کیونکہ غداریہ ہے،اس نے عادل کی طرف اشارہ کیا اور زوہیب کو بچایا۔۔

عادل کے چہرے پر ایک ہلکی سی مسکراہٹ پھیل گئی،۔لیکن اس کا دل... اس کا دل جیسے ہزار ٹکڑوں میں بکھر گیا ہو۔اس کے دل کا ایک حصہ چیخ رہا تھا،"کیوں،انوشہ ؟کیا میں تمھارے لیے اہمیت نہیں رکھتا

عادل نے انوشہ کو دیکھا آنکھوں میں حیرت اور دکھ سے دیکھنے لگا،لیکن اسے لفظ نہ ملے۔

اگر ضرورت پڑی تو جان بھی دے دونگی۔

انوشہ نے ایک نظر عادل پر ڈالی۔ جیسے اسے ہے فیصلہ کرنے میں کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔۔

رعید نے شیطانی ہنسی ہنسا

"واہ، لڑکی! کیا فیصلہ کیا ہے۔۔ یے ہے ہی اسی لائق" اس نے اپنے آدمیوں کی طرف اشارہ کیا۔"ان دونوں کو جانے دو۔"انوشہ نے زوہیب کا ہاتھ پکڑا اور اسے سہارا دے کر اٹھایا۔

وہ دونوں لڑکھڑاتے ہوئے میدان سے نکل گئے۔ عادل زمین پر پڑا انہیں جاتا دیکھتا رہا، اس کی چہرے پر غصہ چمکنے لگا مگر وہ زخمی تھا،، اور اپنی موت کے قریب،

اس کی آنکھوں میں اپنوں کا دکھ تھا، کہ وہ اسے مرنے کہ لیے چھوڑ کے جا رہے ہیں، اس کا دل خون کے آنسو رو رہا تھا۔ماں تم نے سچ کہا۔۔

انسان مطلبی ہے۔۔ چاہے وہ بھائی ہی کیوں نہ ہو۔

انوشہ اور زوہیب کچھ دور ہی گئے تھے۔ کہ اچانک گولیوں کی آواز گونجی۔ان دونوں کے دل دھک سے رہ گئے۔، اس کی آنکھوں میں کوئی آنسوں نہ تھے، اس کے چہرے پر کوئی

دکھ نہیں تھا۔وہ جانتی تھی کہ اس نے زوہیب کو بچایا، لیکن عادل... وہ اس کے لیے ضروری نہیں تھا۔زوہیب نے انوشہ کی طرف دیکھا،اس کی آواز میں کوئی دکھ نہیں تھا۔

"تُو نے صحیح فیصلہ کیا،انوشہ۔ویسے بھی،وہ اس کے دشمن تھے۔

وہ غدار تھا،غداری اس نے کی اور ہم کیوں اپنی جان دیتے؟تم سوچ رہی ہو وہ میرا بھائی ہے۔۔نہیں وہ میرا سگا بھائی نہیں ہے۔۔تم نے سہی کیا۔۔غدار کی سزا صرف موت ہوتی ہے۔۔

"انوشہ نے بس سر ہلایا،اس کی نظریں جنگل کی گہرائی میں کھو گئیں۔وہ دونوں آگے بڑھ گئے، لیکن ان کے پیچھے وہ میدان اب خون اور عادل کے ٹوٹے دل کی داستان چھوڑ گیا تھا۔

سلطان کمرے میں بیٹھا تھا،،

تب سمینہ بھی کمرے میں داخل ہوئی،،

سمینہ نے سلطان کو دیکھا،،

کیا ہوا سلطان آج خاموش بیٹھے ہو،،

سلطان (سر اٹھا کے اپنی بیوی کو دیکھا)

سمینہ پتا ہے نہ کہ شمشیر،، یے خاندان ہمارا سب سے بڑا دشمن ہے، پہلے وہ آصف شمشیر جس نے ایسی دشمنی کی کہ اسے روکنے میں کانوں فوج تک ہار چکی تھی،،، وہ ایک ایسا ولن تھا جو کچھ بھی کر سکتا تھا، جو کبھی پیدا نہیں ہوا تھا۔۔

اور اس کے بعد اب یے حیدر،،،

مگر مجھے لگ رہا ہے کہ میں نے عادل کو بے وجہ ڈانٹ دیا،،، جس شمشیر کو روکنے میں فوج بھی ناکام ہو گئی تھی، اسے عادل کیا روکتا،

سلطان آپ کو یے تب سوچنا چاہیے تھا آج اس بات کو کتنے دن ہو چکے ہیں، سمینہ نے اسے دیکھتے ہوئے کہا،

ہاں مگر مجھے بیچینی ہو رہی ہے جیسے جیسے عادل کسی مصیبت میں ہے،،، سلطان نے اپنی فکر بتائی،

کچھ نہیں ہو گا۔۔اس کے ساتھ اپنا بھائی زوہیب ہے۔۔

سلطان کو تسلی دی تھی سمینہ نے،

عادل کے معاملے میں زوہیب پر میں بھروسہ نہیں کر سکتا کیونکہ بھلے وہ عادل کہ منہ پر اس سے محبت کا ڈھونگ کرے مگر وہ اس سے نفرت کرتا ہے۔۔

سمینہ حیران ہوتے ہوئے۔۔

مگر سلطان وہ کیوں، نفرت کرے گا عادل سے، آپ بے وجہ اس پر الزام ڈال رہیں ہیں،

سمینہ تم کو پتا نہیں کہ زوہیب عادل کو کیا سمجھتا ہے۔وہ سمجھتا ہے کہ عادل اس کا سگا بھائی نہیں ہے،،اور وہ یے بھی سمجھتا ہے، کہ عادل ناجائز،، سلطان کے لفظ زبان تک ہی رہ گئے تھے،،،

پھر سلطان تم نے اسے بتایا کیوں نہیں۔۔وہ اس کا سگا بھائی نہیں مگر ہم نے پالا ہے اسے۔۔وہ پریشان ہوئی۔۔ مگر سلطان اب خاموش تھا

اور اس کمرے میں بھی صرف خاموشی بچی تھی۔۔اور ہوا سے ہلتی کھڑکی جو ٹک ٹک کر رہی تھی،،

‘

_____

پانچ ہفتے بعد...

جنگل کی گہرائی میں ایک عورت اپنے ننھے بچے کو سینے سے لگائے بھاگ رہی تھی، جیسے اس کی ہر سانس اس کی آخری امید ہو،اس کے بال بکھرے ہوئے، چہرہ پسینے اور خوف سے تر،اور آنکھیں اپنے بچے کی جان بچانے کی پکار مانگ رہی تھیں۔اس کے پیچھے چار آدمی تھے،ان کے قدم زمین کو روندتے ہوئے،اور ہنسی جنگل کی خاموشی کو چیر رہی تھی۔ ان کے ہاتھوں میں خنجر چمک رہے تھے،اور آنکھوں میں ایک وحشیانہ ہوس تھی۔جنگل کے گھنے درخت جیسے اس کی فریاد سن رہے ہوں۔پتوں کی سرسراہٹ، ہوا کی سرد سانس،——سب کچھ ایک عجیب سی خاموشی میں ڈوبا تھا۔اس کے پاؤں کیچڑ میں دھنس رہے تھے، لیکن وہ رکی نہیں۔اس کا بچہ اس کے سینے سے لپٹا رو رہا تھا، جیسے وہ بھی اپنی ماں

کے خوف کو سمجھتا ہو۔اچانک،ایک لکڑی سے اس کا پاؤں ٹکرایا۔"آہ!" وہ لڑکھڑائی، اس کی چیخ جنگل میں گونجی۔وہ زمین پر گری،اس کا بچہ اس کے بازوؤں میں محفوظ تھا، لیکن اس کی سانس پھول رہی تھی۔وہ پیچھے مڑی——چار وجود اس کے قریب آرہے تھے،ان کی آنکھیں رات کے بھیڑیوں جیسی چمک رہی تھیں۔"اب کہاں جاؤ گی،نور؟" عباس نے زہریلی مسکراہٹ کے ساتھ کہا،اس کا خنجر ہوا میں لہرایا۔اس کا چہرہ ایک شیطان جیسا تھا،جس کی ہر بات زخم دیتی تھی۔نور نے اپنے بچے کو سینے سے لگایا،اس کی آواز لرز رہی تھی۔"م... مجھے جانے دو۔مجھے نہیں پتا کہ وہ کہاں ہے۔اور میں نے ریاض کو نہیں مارا!" اس کے آنسو زمین پر گر رہے تھے،جیسے بارش کے قطرے۔عباس نے منافقانہ ہنسی ہنسی۔"ہمیں پتا ہے تُو بے قصور ہے۔اور یہ بھی پتا ہے کہ تیرے شوہر کو تم نے نہیں مارا۔بس یہ بتا کہ وہ کہاں ہے" اس کی آواز میں ایک گھٹیا فخر تھا۔"لیکن کیا کریں،اپنا آپ بھی تو ثابت کرنا ہے۔اگر تُو مجھ سے شادی کر لے،نور،تو میں تجھے چھوڑ دوں گا۔مگر..." اس نے بچے کی طرف اشارہ کیا، "اس بچے کو تو مرنا ہی ہو گا۔ہر حال میں۔اگر نہیں تو دونوں مرو گے،

"نہیں!" نور چیخ پڑی، اس کی آواز جنگل کے درختوں سے ٹکرائی۔ "نہیں، میں یہ نہیں کر سکتی! کوئی ہے... بچاؤ!" وہ روتی ہوئی مدد مانگ رہی تھی، لیکن جنگل خاموش تھا۔ عباس نے زور سے قہقہہ لگایا، اس کا چہرہ طنز سے بھرا تھا۔ "کوئی نہیں بچا سکتا تجھے ہم سے۔ اور اگر تُو یہاں سے بچ بھی گئی، تو قبیلہ والے تجھے ریاض کے اور چوری کے الزام میں مار دیں گے۔" وہ نور کے قریب آیا، اس کی گندی نظریں اس پر جمی تھیں۔ پھر اس نے اپنے ساتھیوں کی طرف مڑ کر کہا، "یارو، آج پارٹی ہو گی! کیونکہ آج لڑکی ہے!" اس کی گھٹیا ہنسی جنگل میں گونجی، اور اس کے ساتھیوں کی بھی ہنسی گونجی، لیکن اچانک پتوں کی سرسراہٹ تیز ہوئی۔ عباس اور اس کے ساتھی چونک کر رُک گئے۔ جنگل کے گھنے سائے سے ایک لڑکی نمودار ہوئی۔ وہ آہستہ آہستہ چل رہی تھی، اس کا سر جھکا ہوا تھا، جیسے وہ اپنے خیالوں میں کھوئی ہو۔ اس کے بال ہوا میں لہرا رہے تھے۔ عباس نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا، اس کے چہرے پر ایک شیطانی مسکراہٹ پھیل گئی۔ "ارے یارو! یہاں تو دو دو لڑکیاں ہیں! آج تو پارٹی کا مزہ دگنا ہو جائے گا!" لڑکی نے سر اٹھایا۔ اس کی آنکھوں میں ایک ایسی آگ تھی، جو جنگل کی تاریکی کو بھی جلا سکتی تھی۔ وہ عباس کے قریب آئی، اس کی آواز سرد لیکن پختہ تھی۔ "بیغیرت انسان! کیا بولا تُو نے؟"

وہ لڑکی غصے سے بولی،

عباس کو اس کا لہجہ پسند نہ آیا۔ وہ غصے سے بھڑک اٹھا۔ ''یہ تو بہت غصہ دکھا رہی ہے! سمیر، ذرا اس کو دکھاؤ ہم کون ہیں جاؤ اس کے کپڑے اُتارو، پھر اس کی عقل ٹھکانے آئے گی!'' لڑکی کے چہرے پر ایک سردی پھیل گئی، جیسے وہ ان کی بیوقوفی پر غصہ ہوئی ہو۔ ''اسے بھی ختم کرنا پڑے گا!'' اس نے فوراً سمیر کا ہاتھ پکڑا، اسے ایک جھٹکے سے موڑا، اور اپنے گھٹنے سے اس کے پیٹ پر زوردار وار کیا۔ سمیر درد سے دوہرا ہو گیا، اس کی چیخ جنگل میں گونجی۔ لڑکی نے رُکے بغیر اس کے چہرے پر ایک گھونسہ مارا، پھر ایک سپین موو سے لات اس کے سینے پر لگائی۔ سمیر پیچھے اُچھلا، اس کا سر ایک درخت سے ٹکرایا، اور وہ زمین پر گر کر بے ہوش ہو گیا۔ عباس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ ''جانزیب! فیاض! ختم کرو اسے!'' اس نے اپنے دو دوستوں کو چلا کر بلایا۔ جانزیب ایک خنجر لے کر لڑکی پر جھپٹا، لیکن وہ چستی سے جھکی اور اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے زمین پر پٹخ دیا۔ وہ تیزی سے گھومی اور اپنی ایڑی سے جانزیب کے سر پر وار کیا۔ جانزیب زمین پر گرا، اس کی ناک سے خون بہہ رہا تھا۔ فیاض نے پیچھے سے حملہ کیا، لیکن لڑکی نے ہوا میں چھلانگ لگائی، ایک لات فیاض کے چہرے پر ماری۔ فیاض ایک پتھر سے ٹکرایا۔ اس نے اٹھنے کی کوشش کی مگر اس

نے پاس پڑی لکڑی اٹھائی اور اس کے چہرے پر زور سے دے ماری۔۔اور وہ بے ہوش ہو گیا۔اب صرف عباس بچا تھا۔وہ خوف سے پیچھے ہٹا،اس کا خنجر ہاتھ سے گر گیا۔لڑکی اس کے قریب آئی،اس کی آنکھوں میں غصہ اور حقارت تھی۔اس نے عباس کا گریبان پکڑا، اسے ایک درخت سے ٹکرانے کے بعد زمین پر گرایا،اور اس کے چہرے پر ایک زوردار گھونسہ مارا۔عباس درد سے کراہتا ہوا زمین پر پڑا رہ گیا۔لڑکی نے گہری سانس لی،اس کے بال ہوا میں لہرا رہے تھے۔وہ پیچھے مڑی اور سب کو گھورا۔"سالو!اپنے کپڑے سنبھالے نہیں جاتے،اور چلے ہو دوسروں کے کپڑے اُتارنے؟جاہل کہیں کے!" اس کی آواز میں ایک ایسی طاقت تھی جو جنگل کے سناٹے کو توڑ رہی تھی۔

نور،جو زمین پر بیٹھی اپنے بچے کو سینے سے لگائے یہ سب دیکھ رہی تھی وہ پکا بکا ہو گئی،۔اس کی آنکھوں میں آنسو تھے،لیکن اب وہ خوف کی بجائے شکر گزاری سے بھرے تھے۔

لڑکی نور کے قریب آئی اور اسے ہاتھ دے کر اٹھایا۔

"تُو ٹھیک ہے؟" اس کی آواز میں غصہ اب بھی تھا،لیکن اس کے نیچے ایک ہلکی سی نرمی تھی۔نور نے اسے دیکھا،اس کی سانس ابھی بھی تیز تھی۔ہاں میں ٹھیک ہوں تم بتاؤ ..."

پتا نہیں۔لگ تو نہیں رہا کہ میں ٹھیک ہوں۔۔وہ لڑکی آگے جاتے بولی،،

”نور نے اپنے بچے کو مضبوطی سے پکڑا۔پھر اس نے مسکراتے ہوئے کہا،“میرا گھر یہاں پاس ہی ہے۔میرے شوہر نے بنایا تھا۔چل،وہاں چلتے ہیں۔کچھ کھانا ہے،کھالے۔ پھر چلی جانا۔”لڑکی جاتے رکی اور نور کو غور سے دیکھا،پھر خاموشی سے سر ہلایا۔وہ چاروں آدمی زمین پر بے ہوش پڑے تھے،ان کی سانسوں کی آواز جنگل کی خاموشی میں گھل رہی تھی۔نور نے اپنے بچے کو سینے سے لگایا اور چل پڑی۔“بہت زبردست لڑی تُو۔ میں تو حیران رہ گئی!ان کمینوں کو اچھا سبق سکھایا۔”لڑکی نور کے پیچھے خاموشی سے چل رہی تھی،اس کی نظریں جنگل کی گہرائی میں کھوئی تھیں۔اچانک اس نے پوچھا،“وہ تجھے کیوں مارنا چاہتے تھے؟”نور نے ایک چھوٹے سے گھر کی طرف اشارہ کیا،جو جنگل کے کنارے کھڑا تھا۔لکڑی کا بنا وہ گھر سادہ لیکن بے حد خوبصورت لگ رہا تھا،جیسے وہ محبت سے بسایا گیا ہو۔“یہ سب میرے دشمن ہیں۔میرے شوہر،ریاض،کو ایک خزانہ ہاتھ لگا تھا۔وہ اس کا حقدار تھا،لیکن اس خزانے کے لیے ان لوگوں نے اسے مار ڈالا۔لیکن مارنے سے پہلے وہ خزانہ چھپا گیا تھا۔۔اور وہ صرف مجھے پتا ہے۔۔

اب وہ مجھے اور میرے بچے کو بھی مارنا چاہتے ہیں۔ ”لڑکی کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ وہ گھر کے اندر قدم رکھتے ہوئے بولی، ”اس خزانے میں ایسا کیا ہے کہ وہ جان لینے پر اتر آئے؟“ نور نے گہری سانس لی، اس کی آواز بھاری تھی۔ ”اس میں سونا اور ہیرے ہیں۔ یہ بہت قیمتی ہے۔

”لڑکی نے ایک لمحے کے لیے رُکی، اس کی نظریں نور کے بچے پر جمیں۔ پھر وہ دھیمی لیکن درد بھری آواز میں بولی، ”ایک انسان کی قیمت اس سے کہیں زیادہ ہوتی ہے۔“ اس کی آواز میں ایک ایسی اداسی تھی، جیسے وہ اپنے ماضی کے زخموں کو چھپا رہی ہو۔، پر تمھارے چہرے پر کوئی درد نہیں دیکھ رہا تمھارے شوہر کا،، اس لڑکی نے سوال کیا، نور نے گھر کے اندر ایک چھوٹی سی انگیٹھی جلائی۔

وہ اس لیے کہ مجھے کوئی دکھ نہیں،، اس نے خود میرا رشتہ میرے باپ سے لیا،، میرے باپ نے اس ہاں کر دی،، وہ جب نکاح کر کے مجھے گھر لے آیا تھا،، اور مجھے ہر وہ درد دیتا جو اسے راحت دے سکے،،

کیونکہ میں نے اسے کہا تھا کہ میں راضی نہیں تھی اس رشتے سے اور میں اسے پسند نہیں کرتی تھی،، پر مجھے نہیں تھا معلوم کہ وہ اتنا زیادہ ظالم ہو گا،،،

وہ لڑکی، اس کو دیکھتے ہوئے

پھر؟

پھر پتا نہیں ایسا کیا ہوا 6 مہینے پہلے اسے مجھ سے محبت ہونے لگی،، پتا نہیں کیسے

وہ اپنے بچے کو پیار سے دیکھتے ہوئے بولی،

" میرا نام نور ہے۔ میرے شوہر کا نام ریاض تھا۔ اور یہ میرا بیٹا... اس کا نام رکھوں گی... دانش۔" اس نے سوچتے ہوئے کہا۔ لڑکی نے بچے کو دیکھا، اس کے چہرے پر ایک ہلکی سی مسکراہٹ آئی، جیسے وہ اس کی معصومیت سے کچھ لمحوں کے لیے اپنا درد بھول گئی۔ نور نے اسے دیکھا اور پوچھا، "ویسے، آپ نے مجھے اپنا نام نہیں بتایا۔" لڑکی چونک گئی۔ وہ ایک لمحے کے لیے خاموش رہی، جیسے اپنا نام کہنا اس کے لیے ایک بھاری فیصلہ ہو۔ پھر اس نے گہری سانس لی اور کہا کہ "میرا نام ہے... آریا۔"

مندر کی ٹوٹی دیواروں سے ہوا کی سرسراہٹ گزر رہی تھی، جیسے جنگل اپنے راز سرگوشیوں میں سنا رہا ہو۔ انوشہ اور زوہیب ایک کونے میں بیٹھے تھے، ان کے چہرے تھکاوٹ اور خوف سے بوجھل تھے۔ 21 دنوں سے وہ اس جنگل میں پھنسے تھے، ہر رات ایک نئے ڈر کے سائے میں گزرتی تھی۔ انوشہ نے اپنے گھٹنوں کو سینے سے لگایا، اس کی نظریں مندر کے باہر جنگل کی گہرائی میں کھوئی تھیں۔ انوشہ (دھیمی، پریشان آواز میں):

"یار، کب نکلیں گے اس جنگل سے؟ اب تو یہ جنگل... یہ مندر... سب ڈراؤنا لگتا ہے۔" زوہیب، جو ایک پتھر سے کھیل رہا تھا، اس نے بیزاری سے انوشہ کی طرف دیکھا۔

زوہیب (چڑچڑاہٹ سے):

"بس یہی رونا رہ گیا ہے تجھے۔ اوپر سے تیرے چاچے کو ڈھونڈنے کا بھوت بھی تو نہیں اتر رہا۔" (وہ اٹھا، اس کی آواز فیصلہ کن تھی) "آج آر یا پار۔ جان جائے یا نہ جائے، یہاں سے نکلنا ہے۔ چلنا ہے تو چلو، ورنہ یہیں بیٹھی رہ!" انوشہ نے اسے گھورا۔ زوہیب کا رویہ کئی دنوں سے عجیب تھا—غصہ، چڑچڑاہٹ، اور ہر بات میں طعنہ۔ وہ چپ رہی،

لیکن اس کا دل جیسے کسی بوجھ تلے دبا تھا۔ وہ اٹھی، اپنی چادر کو کندھوں پر درست کیا، اور زوہیب کے پیچھے چل پڑی۔ جنگل کے پتوں سے چھن کر آنے والی روشنی ان کے چہرو پر رقص کر رہی تھی۔ جنگل کی پگڈنڈی پر چلتے ہوئے، انوشہ کی آنکھیں دھندلی ہوئیں۔ اسے ایک پرانی یاد نے آگھیرا۔۔۔

فلیش بیک (کچھ مہینے پہلے)

شہر کی ویران سڑکوں پر ایک بینچ پر انوشہ بیٹھی تھی۔ سامنے ٹوٹی عمارتیں کھڑی تھیں، جیسے وہ اس کی تنہائی کا تماشا دیکھ رہی ہوں،۔ اچانک عادل وہاں آیا اور بینچ کے دوسرے کونے پر بیٹھ گیا۔ عادل (نرمی سے، اسے دیکھتے ہوئے):

" کیا ہوا، انوشہ؟ اداس لگ رہی ہو۔" انوشہ نے اسے گھورا، اس کی آنکھوں میں غصہ اور نفرت جھلکی۔

ساد (اس کا یوں دیکھنے سے گھبرا گیا،)

کیا ہوا ایسے کیا دیکھ رہی ہو، میں نے کچھ غلط کہہ دیا کیا؟،

انوشہ (طنزیہ لہجے میں):

"دیکھ رہی ہوں کہ آج کون سا عادل آیا ہے۔ سورج آج کہاں سے نکلا جو تم میری فکر کر رہا ہے؟" عادل شرمندہ ہوا، اس کی نظریں نیچی ہوئیں۔

عادل (دھیمی آواز میں):

"ماضی میں جو ہوا، وہ الگ بات ہے۔ لیکن انوشہ، میں اتنا برا بھی نہیں جتنا تم سب سمجھتے ہو۔ بچپن سے تنہا رہا... تو میرا رویہ ایسا ہی ہو گیا ہے تو میں کیا کروں"

انوشہ کا غصہ بھڑک اٹھا۔ وہ اٹھی، اس کی آواز لرز رہی تھی۔

انوشہ (چلاتی ہوئی):

"اچھا؟ مجھے تو نہیں لگتا! بچپن سے تڑپاتا آیا ہے مجھے۔ ہر چیز میں نیچا دکھایا، ہر حرکت کا الزام مجھ پر لگایا! اس دن کو یاد کر... جب تو نے مجھے ایک شرابی کے ساتھ جوڑ دیا تھا!" (اس کی آنکھیں چھلک پڑیں) "قبیلے میں بدنام ہوئی تھی بے قصور ہوتے ہوئے بھی۔ لوگ مجھے شک کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔ بدکردار کہتے تھے۔۔ اور آج تو کہتا ہے کہ تجھے مجھ سے پیار ہے؟ نہیں چاہیے تیرا پیار! گھن آتی ہے مجھے تیری شکل سے، تیرے وجود سے!" وہ روتی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔ عادل بینچ پر بیٹھا رہ گیا، اس کے ہاتھ بینچ کو مضبوطی

سے پکڑے تھے، جیسے وہ توڑ دیگا اسے۔اس کی آنکھ سے ایک آنسو گرا، پھر اس کی نظریں خشک ہو گئیں، لیکن اس کا دل... وہ ہزار ٹکڑوں میں بکھر چکا تھا۔

"موجودہ وقت،

انوشہ کو یادوں سے ہوش تب آیا جب جنگل کی خاموشی ایک گھناؤنی ہنسی سے ٹوٹی۔وہ اور زوہیب چونک کر رُک گئے۔ان کے چاروں طرف لوٹیرے کھڑے تھے—پانچ آدمی، جن کے ہاتھوں میں خنجر اور کلہاڑیاں چمک رہی تھیں۔ان کا سردار، گل خان، ایک تنومند آدمی تھا، جس کے چہرے پر داغ اور آنکھوں میں گھٹیا پن جھلک رہا تھا۔

گل خان (انوشہ کو گندی نگاہ سے دیکھتے ہوئے):

"کیا کر رہے ہو یہاں؟ یہ ہمارا علاقہ ہے۔" زوہیب نے ڈرتے ہوئے قدم پیچھے ہٹائے۔

زوہیب (لرزتی آواز میں):

"ہم... بس یہاں سے جا رہے تھے۔"

گل خان نے انوشہ کی طرف دیکھا، اس کے ہونٹوں پر ایک مکروہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

گل خان (ہنستے ہوئے):

"ٹھیک ہے، تم جا سکتے ہو۔ لیکن یہ لڑکی... یہ ہمیں دینی ہو گی۔" انوشہ کا دل دھک سے رہ گیا۔ وہ خوف سے زوہیب کے پیچھے چھپ گئی، اس کی سانس تیز ہو رہی تھی۔

زوہیب (غصے سے):

" نہیں! کبھی نہیں! میں پاگل نہیں جو انسان کا سودا کروں گا!" گل خان نے شیطانی ہنسی ہنسا

گل خان (زہریلے لہجے میں):

" اے لڑکے، ویسے بھی ہم شکار پر نکلے ہیں۔ ہمارے پاس کھانا نہیں۔ اگر یہ لڑکی دے دیتے ہو، تو تم سہی سلامت جا سکتے ہو۔ ورنہ..." (وہ رکا، اس کی آنکھوں میں چمک آئی) "ہمیں صرف گوشت چاہیے۔ چاہے وہ کسی کا ہو۔ اگر تم لڑکی دو گے۔۔ تو تم جا سکتے ہو۔۔

نہیں تو دونوں مرو گے،،

سوچ لو"!

انوشہ نے زوہیب کی طرف دیکھا،اس کی آنکھوں میں خوف تھا۔زوہیب ایک لمحے کے لیے خاموش رہا، جیسے وہ کچھ سوچ رہا ہو۔

زوہیب(انوشہ کو دیکھتے ہوئے):

" ٹھیک ہے... یہ لڑکی تمھاری ہوئی۔

"انوشہ کے پاؤں تلے زمین کھسک گئی۔اس کا دل جیسے سینے سے نکل کر زمین پر گر پڑا۔ اس کی آنکھیں زوہیب کو گھور رہی تھیں، جیسے وہ یقین نہیں کر پا رہی ہو۔

انوشہ(لرزتی آواز میں):

" زوہیب...تُو... کیا کہہ رہا ہے؟"زوہیب نے اس کی طرف دیکھا،اس کی آواز میں ایک عجیب سی ٹھنڈک تھی۔زوہیب(سخت لہجے میں):

" لیکن میری ایک شرط ہے۔مجھے گھوڑا چاہیے سفید۔اگر دو گے، تو یہ لڑکی تمہاری۔ ورنہ... نہیں!

"لوٹیرے حیرت سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔انوشہ کی سانس رُک گئی، لیکن زوہیب کی بات سمجھ کر اس کے چہرے پر ایک ہلکی سی مسکراہٹ آئی۔وہ سمجھ گئی کہ زوہیب مذاق کر رہا تھا—گھوڑا ان کے پاس کہاں سے آیا وہ بھی سفید۔۔

گل خان (نا سمجھی سے):

"اے لڑکے، یہ پہلیاں مت بجھاؤ! ہمارے پاس کوئی گھوڑا نہیں۔۔

زوہیب (کندھے اچکاتے ہوئے):

"ٹھیک ہے، تو ہمیں راستہ دو۔" وہ انوشہ کا ہاتھ پکڑ کر آگے بڑھا۔ لیکن اچانک گل خان نے انوشہ کی کلائی پکڑ لی۔

انوشہ (چلاتی ہوئی):

"چھوڑو مجھے!" زوہیب مڑا، لیکن اس سے پہلے کہ وہ کچھ کرتا، ایک لوٹیرے نے اس کے سر پر کلہاڑی کے دستے سے وار کیا۔ زوہیب کی چیخ جنگل میں گونجی، اور وہ زمین پر گر پڑا، اس کے سر سے خون بہہ رہا تھا۔

اسے اٹھاؤ زیادہ ہی شانا بن رہا تھا۔۔

گل خان انوشہ کو گھسیٹتے ہوئے آگے بڑھا،

۔گل خان (گھٹیا ہنستے ہوئے):

"اب تو ہمارے ہاتھ آ گئی، لڑکی!" آج تو مزے ہونگے،

انوشہ تڑپ رہی تھی، اس کی آواز بے بسی سے بھری تھی۔

انوشہ (روتے خود کو چڑاتے ہوئے):

"نہیں! چھوڑ دو... زوہیب!" لیکن اچانک جنگل کی خاموشی ایک دھماکے سے ٹوٹی۔ ایک سائے کی مانند ایک نقاب پوش آدمی گل خان کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ اس کے ہاتھ میں ایک تلوار چمک رہی تھی، اور اس کا چہرہ رومال سے ڈھکا تھا۔ اس کی آنکھوں میں غصہ جیسے آگ بھڑک رہی تھی۔

نقاب پوش (گرجتی آواز میں):

"اسے چھوڑ دو... ابھی!"

"انوشہ کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔ اس آواز میں ایک مانوس سی لہجہ تھا، جو اس کے دل کو چھو رہا تھا۔ اس کے دل میں ایک نام اُبھرا،

۔گل خان (ہنستے ہوئے):

"اے لڑکے، یہاں سے کٹ لے، ورنہ تیری لاش کے ٹکڑے کریں گے!"

"نقاب پوش نے ایک لمحے کے لیے انوشہ کو دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں غصہ تھا، لیکن اس کے نیچے ایک گہرا دکھ چھپا تھا۔

نقاب پوش (سرد، غصے بھری آواز میں):

"تم سب کو ایک موقع دیتا ہوں۔ بھاگو... کیونکہ جب میری تلوار نکلتی ہے، تو خون کے بغیر نہیں رہتی۔" گل خان نے اپنی کلہاڑی اٹھائی اور نقاب پوش پر حملہ کیا۔ لیکن نقاب پوش نے برق رفتار سے جھک کر اس کا حملہ ناکام کیا اور ایک ہی جھٹکے میں تلوار سے گل خان کے اس بازو پر وار کیا۔ جس سے وہ انوشہ کو پکڑے کھڑا تھا

گل خان کی چیخ جنگل میں گونجی، اس کا بازو زمین پر کٹ کر گرا، اور انوشہ ڈر سے دور ہٹی، اس کی سانس رکی ہوئی تھی۔ وہ آنکھیں پھیلائے اس کٹے ہاتھ کو دیکھ رہی تھی۔

نقاب پوش نے ایک لمحے کے لئے بھی نہیں روکا۔ دوسرا لوٹیرا، جس کے ہاتھ میں خنجر تھا، اس پر جھپٹا۔ نقاب پوش نے تیزی سے گھوم کر اس کا ہاتھ پکڑا، اسے موڑا، اور خنجر اس کے ہاتھ سے چھین کر اس کے کندھے میں گھونپ دیا۔ لوٹیرے کی چیخ جنگل کی خاموشی کو چیر گئی۔

نقاب پوش (غصے سے گرجتے ہوئے):

"تم سب کی ہمت کیسے ہوئی؟ ان دونوں کو ہاتھ لگانے کی۔۔

یہ جنگل تمہارا شکار گاہ نہیں ہے جو تم اپنے باپ کی جاگیر سمجھ کے بیٹھے ہو،!" تیسرا لوٹیرا کلہاڑی لے کر اس پر حملہ کرتا ہے۔ نقاب پوش نے ایک چھلانگ لگائی، زمین پر گھوما، اور

تلوار سے اس کی کلہاڑی کو روکا۔ دونوں کی دھاتوں سے ایک چنگاری اڑی، جیسے ان کا غصہ آپس میں ٹکرا رہا ہو۔ نقاب پوش نے لوٹیرے کے پیٹ میں زوردار لات ماری، اسے پیچھے دھکیلا، اور ایک ہی جھٹکے میں تلوار سے اس کے سینے کے آر پار کیا۔ لوٹیرا زمین پر گر کر تڑپنے لگا۔ چوتھا لوٹیرا پیچھے سے اس پر جھپٹا، اس کے ہاتھ میں ایک زنجیر تھی۔ نقاب پوش کے گلے میں ڈال دی، وہ نقاب پوش کا دم گھٹنے لگا اور وہ تڑپنے لگا، اس کی سانس اس کے گلے میں اٹک گئی، پر نقاب پوش نے اس کے پسلی میں زور سے کوہنی ماری جس سے اس کی پکڑ ڈھیلی ہوئی، جس سے نقاب پوش نے اس کا سر پکڑا، اور اسے قریبی درخت سے زور سے ٹکرایا۔ لوٹیرے کی ہڈی ٹوٹنے کی آواز آئی، اور وہ بے ہوش ہو کر گر پڑا۔

نقاب پوش (انوشہ کی طرف دیکھتے ہوئے، غصے سے):

سائڈ میں ہو پاگل ہو کیا تم یا مرنا ہے؟" انوشہ اس کی آواز سن کر سائڈ میں ہو گئی۔۔ جو کہ بیچ میں کھڑی تھی۔ اس کی آنکھوں میں خوف تھا، لیکن اس کے دل میں ایک عجیب سا احساس جاگ رہا تھا، وہ پانچواں لوٹیرا، جو اب تک چھپا تھا، اچانک ایک چاقو لے کر نقاب پوش کی طرف دوڑا۔ لیکن نقاب پوش نے اپنی تلوار زمین پر ماری، مٹی اور پتے اڑے، اور

لوٹیرے کی آنکھوں میں خاک چلی گئی۔ وہ لڑکھڑایا، اور نقاب پوش نے ایک زوردار مکے سے اس کے چہرے کو کچل دیا۔ لوٹیرا زمین پر گر کر بے ہوش ہو گیا۔

گل خان، جو اب تک اپنا زخمی بازو پکڑے چیخ رہا تھا، اس نے زمین سے ایک خنجر اٹھایا اور نقاب پوش کی طرف پھینکا،، مگر وہ اس سے بچتا جھک گیا۔

گل خان (غرجتے ہوئے):

" تو مرے گا، کتے!

"نقاب پوش نے ایک پل کے لیے انوشہ کو دیکھا، جیسے وہ اس کی حفاظت کا عہد کر رہا ہو۔ پھر وہ تیزی سے مڑا، گل خان کا ہاتھ پکڑا، اور اسے زمین پر پٹخ دیا۔ اس نے تلوار گل خان کی گردن پر رکھی۔

نقاب پوش (سرد، مہلک آواز میں):

" یہ تیری آخری غلطی تھی جان، مجھے اپنے تو ہرا سکتے ہیں مگر غیر کبھی نہیں "ایک جھٹکے میں تلوار چلی، اور گل خان کی چیخ ہمیشہ کے لیے خاموش ہو گئی۔ جنگل کی خاموشی دوبارہ لوٹ آئی، لیکن اب وہ لاشوں سے بھری تھی۔ نقاب پوش سانس لیتے ہوئے زوہیب کے پاس گیا۔ زوہیب زمین پر پڑا درد سے کراہ رہا تھا، اس کے سر سے خون بہہ رہا تھا۔

نقاب پوش نے انوشہ کو بلایہ اور اس کو رومال دے کر اسے زوہیب کا سر اٹھایا، انوشہ نے اس کے سر پر رومال باندھا،، زوہیب پھر اٹھا، اس کی حرکت میں ایک عجیب سی نرمی تھی، جیسے وہ اپنی ذمہ داری نبھا رہا ہو۔ پھر اس نے اپنا رومال اتارا۔... یہ عادل تھا۔

،اس کے چہرے پر ہلکی سی داڑھی آچکی تھی، جو اس کی مردانگی کو اور نکھار رہی تھی۔ لیکن اس کی آنکھوں میں وہی پرانی مغروریت تھی—غصہ، دکھ، اور ایک ناقابل شکست عزت۔ وہ پھر بھی حسین لگ رہا تھا، جیسے جنگل کی آگ نے اسے کندن کر دیا ہو۔ عادل (زوہیب کو اٹھاتے، موزوں لہجے میں):

" تم ٹھیک ہو؟" اس کی آواز گہری اور مردانہ تھی، ایسی کہ غصے میں سن کر کوئی بھی کانپ اٹھے۔ زوہیب نے اسے دیکھا، اس کی آنکھیں میں حیرت تھی۔ عادل (سرد، حکم کے لہجے میں):

" میرے پیچھے آؤ۔" وہ انوشہ کی طرف مڑا، اس کی آنکھوں میں ایک لمحے کے لیے وہی پڑا دکھ جھلکا جو انوشہ کے فیصلے نے اسے دیا تھا۔ انوشہ اسے دیکھتی رہی، اس کی آنکھوں میں خوف، پچھتاوا، اور ایک عجیب سا احساس تھا۔ وہ جانتی تھی کہ اس نے عادل کے ساتھ غلط کیا تھا، لیکن اس کا غصہ اب بھی اسے خاموش رکھے تھا۔

انوشہ (دھیمی، لرزتی آواز میں):

"عادل... تُمہیں ان لوگوں نے چھوڑ دیا، اور تم زندہ ہو؟" عادل نے اس کی طرف دیکھا، اس کی آنکھوں میں غصہ اور دکھ کا طوفان تھا۔

عادل (سرد، کاٹ دار لہجے میں):

"ہاں، زندہ ہوں۔ لیکن تمہارے لیے شاید مرنا ہی بہتر تھا، نا؟" انوشہ کی آنکھیں چھلک پڑیں، لیکن وہ خاموش رہی۔ زوہیب نے سر جھکایا، اس کی شرمندگی اسے کھا رہی تھی۔ عادل نے ایک گہری سانس لی، پھر آگے چل پڑا۔

عادل (اب نرم لہجے میں):

"چلو! یہاں رکنے کا وقت نہیں ہے۔" انوشہ اور زوہیب ایک دوسرے کو دیکھ کر اس کے پیچھے چل پڑے۔ جنگل کی پگڈنڈی پر ان کے قدموں کی آواز گونج رہی تھی، لیکن ان کے دلوں میں ایک طوفان تھا—غصہ، پچھتاوا، اور ایک ایسی امید جو ابھی تکلیف دے رہی تھی۔

نور کے گھر کے باہر آریا اکیلی گھوم رہی تھی۔ شام کا وقت تھا، آسمان پر سرخ بادل چھائے تھے، جیسے وہ آریا کے دل کے زخموں کی گواہی دے رہے ہوں۔ اس کی نظریں زمین پر جھکی تھیں، جیسے وہ اپنی یادوں سے بھاگ رہی ہو۔ اچانک اسے پیچھے سے ایک آہٹ سنائی دی۔ اس نے مڑ کر دیکھا—وہاں ساد کھڑا تھا۔ اس کا چہرہ غصے سے سرخ تھا، آنکھیں جیسے آگ اگل رہی ہوں۔ اس کی مٹھی بھنچی ہوئی تھی، جیسے وہ کسی کو تباہ کرنے آیا ہو۔ آریا وہیں جم گئی، اس کی سانس رُک گئی۔۔ آریا (لرزتی آواز میں):

"ساد... تُو... یہاں؟" ساد نے ایک لمحے کے لیے کچھ نہیں کہا۔ اس کی آنکھوں میں نفرت اور دکھ کا ایک عجیب سا امتزاج تھا۔

پھر، اس سے پہلے کہ آریا کچھ سمجھ پاتی، کسی نے اس کے سر پر زوردار وار کیا۔ آریا کی چیخ ادھوری رہ گئی، اور وہ زمین پر گر پڑی، اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔

کچھ دیر بعد۔۔۔

آریا کے چہرے پر ٹھنڈے پانی کا گلاس پڑا۔اس کی پلکیں کپکپائیں،اور وہ دھیرے دھیرے ہوش میں آئی۔اس کا سر درد سے پھٹ رہا تھا، جیسے کوئی اسے ہتھوڑوں سے پیٹ رہا ہو۔ اس نے خود کو رسیوں سے بندھا پایا،ایک پرانی لکڑی کی کرسی پر وہ بیٹھی تھی۔سامنے ایک پتھر کی دیوار تھی،اور کمرے میں ہلکی سی روشنی ایک چھوٹی سی کھڑکی سے آ رہی تھی۔اس نے سر اٹھایا،اور سامنے ساد کو دیکھا۔اس کا چہرہ سرد تھا،آنکھیں غصے سے چمک رہی تھیں۔اس کے ہاتھ میں ایک خنجر تھا،جو وہ آہستہ آہستہ گھما رہا تھا۔آریا کا دل دھک سے رہ گیا۔اس نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ وہ ساد سے اس طرح ملے گی —— جیسے وہ کوئی دشمن ہو۔ساد آہستہ آہستہ اس کے قریب آیا۔اس کی آواز جیسے زہر میں ڈوبی تھی۔

ساد(غرجتے ہوئے):

"تیری ہمت کیسے ہوئی امی اور ابو پر حملہ کرنے کی؟بول،کون کون تھا تیرے ساتھ؟"آریا کا دماغ ابھی مکمل ہوش میں نہیں آیا تھا۔اس کا سر چکرا رہا تھا،اور ساد کے الفاظ اس کے کانوں میں گونج رہے تھے۔

آریا(ہلکی،کمزور آواز میں):

"مجھے... نہیں پتا... تو کیا بول رہا ہے..." اس کی آنکھیں دوبارہ بند ہونے لگیں، لیکن ساد کا غصہ بھڑک اٹھا۔ وہ اس کے اور قریب آیا، اس کی آواز میں نفرت تھی،

ساد (غصے سے چلاتی ہوئی):

"تجھے پتا ہے؟ امی اور ابو دونوں بے ہوش ہیں! حکیم کہتے ہیں کہ ابو کو ہوش آنے میں 8 سے 10 دن لگیں گے... اور امی کی حالت اس سے بھی نازک ہے!" (وہ رکا، اس کی آنکھیں چھلک پڑیں) "اور یہ سب تیری وجہ سے ہوا، آریا!"

"آریا کا دل جیسے سینے سے نکل کر زمین پر گر پڑا۔ اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ اس کا سر درد سے پھٹ رہا تھا، اور ساد کے الزام اس کے دل کو چھیر رہے تھے۔

آریا (لرزتی آواز میں):

"میں نے... کچھ نہیں کیا... میں نے ان پر حملہ نہیں کیا..." ساد کا چہرہ اور سرخ ہو گیا۔ وہ اس کے بالکل قریب آیا، اس کی آواز جیسے کوئی سزا تھی۔

ساد (دھیمی، مہلک آواز میں):

"جب تک تو تسلیم نہیں کرتی... جب تک تم اپنے ساتھیوں کے نام نہیں بتاتی... تب تک میں تجھے ہر وہ درد دوں گا جو تیری روح کو جھنجھوڑ دے۔ اور اگر تم نے نہیں بتایا..."

(وہ رکا،اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سی سردی تھی) ''تو میں بھول جاؤں گا کہ تو کبھی میری بہن تھی اور میں تجھے مار دوں گا۔

''آریا نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔اس کی آنکھوں میں درد تھا، لیکن اس کے نیچے ایک چنگاری تھی۔

آریا(چلاتی ہوئی):

'' لیکن تو نے تو مجھے کبھی بہن مانا ہی نہیں! اور پھر بھی سن لو...میرا کوئی ساتھی نہیں اور میں نے کچھ نہیں کیا!''اس کی آواز کمرے میں گونجی، لیکن ساد کا غصہ اب قابو سے باہر تھا۔اس نے ایک زوردار تھپڑ آریا کے چہرے پر مارا۔،اس کا سر ایک طرف کو لڑھک گیا، اور وہ دوبارہ بے ہوش ہو گئی۔ کرسی سے گرتے ہوئے اس کی کلائی میں پہنی ایک چوڑی ٹوٹ کر بکھر گئی۔ ساد نے اسے گرتا دیکھا،اس کی سانس تیز تھی، لیکن اس کے چہرے پر کوئی پچھتاوا نہیں تھا۔اس نے رسیاں کھولیں اور آریا کو زمین پر چھوڑ دیا۔ کمرے سے نکلتے ہوئے اس نے ایک بار مڑ کر اسے دیکھا، لیکن اس کی آنکھوں میں صرف غصہ تھا۔دروازہ بند ہوا،اور کمرہ پھر سے اندھیرے میں ڈوب گیا۔

ایک دن بعد

آریا کمرے کے ایک کونے میں بیٹھی تھی، اس کے گھٹنوں میں سر چھپا ہوا تھا۔ کلائی پر رسیوں کے نشان تھے، اور اس کی آنکھیں سوجی ہوئی تھیں۔ کمرہ سرد تھا، اور باہر نہر کے پانی کی دھیمی آواز اس کی تنہائی کو اور گہرا کر رہی تھی۔ اس کا دل جیسے ہزار ٹکڑوں میں بکھر چکا تھا—ساد کے زخم، عرفان کا دھوکہ، اور اب یہ نیا الزام۔

اچانک دروازہ کھلا۔

ایک نیا آدمی اندر آیا—زاہد، نہروان کا محافظ۔ اس کے ہاتھ میں ایک ٹرے تھی، جس پر روٹی اور پانی کا گلاس تھا۔ اس نے ٹرے زمین پر رکھی اور آریا کو گھورا۔

زاہد (سخت لہجے میں):

"تو تو نے سردار حیدر پر حملہ کیا تھا؟" آریا نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں غصہ بھڑک اٹھا۔ آریا (چلاتی ہوئی):

"مجھے نہیں پتا! کہ کیا ہوا ہے اور میں بتا بتا کر تھک گئی ہوں کہ، میں نے کچھ نہیں کیا! اگر تم لوگ کوئی دشمنی نکال رہے ہو، تو مار دو مجھے"!

زاہد نے کندھے اچکائے، اس کے چہرے پر ایک سرد مسکراہٹ تھی۔

زاہد (دھمکاتے ہوئے):

" ہمیں کچھ نہیں پتا۔ سردار ساد کا حکم ہے کہ تجھے کھانا دوں۔ تیری بکواس سننے کا وقت نہیں۔ ویسے بھی..." (وہ رکا، اس کی آواز زہریلی ہو گئی) "اب صرف 12 دن ہیں نئے سال میں۔ اگر تو نے اس وقت تک سچ نہ بتایا، تو تیری خیر نہیں۔" وہ دروازہ بند کر کے چلا گیا۔ آریا وہیں بیٹھی رہی، اس کی سانس تیز تھی۔ وہ اب قیدی تھی — نہروان کی، ساد کی، اور اپنے دکھوں کی۔ اس نے اپنے گھٹنوں میں سر چھپا لیا، اور اس کے آنسو زمین پر گرنے لگے۔

اسے کے لبوں پے وہ لفظ آئے جو اس نے لکھے تھے، اپنے غم کی داستان،

میں وہ ہوں

جو اب خواب نہیں دیکھتی

کیونکہ خوابوں کا خون

میرے ہاتھوں سے دھلا نہیں جاتا...

میں وہ ہوں

جسے اب موت بھی نہیں ڈراتی

کیونکہ زندگی کا ہر لمحہ

موت سے زیادہ بھیانک تھا...

میں وہ ہوں...

جسے کسی نے کبھی چاہا ہی نہیں

جسے صرف تب یاد رکھا گیا

جب کسی کو اپنا مطلب نکالنا تھا...

میں وہ ہوں

جواب صرف ایک دعا کرتی ہے:

"اے خدا...

اگر دوبارہ زندگی لکھنی ہو

تو صرف اتنا کرم کر...

کہ مجھے، مجھے مت لکھنا...

میں اب وہ نہیں

جو آئینے کے سامنے خواب دیکھا کرتی تھی

اب آئینہ بھی نظریں چرا لیتا ہے

کہیں اسے بھی

میرے اندر کی موت نظر نہ آجائے...

اب مجھے نہ عشق چاہیے

نہ میرے اپنے،

نہ خدا سے کوئی شکوہ

بس ایک خاموشی چاہیے

جو اتنی گہری ہو

کہ اس میں میرا وجود ہمیشہ کے لیے دفن ہو جائے...

اور اگر کہیں...

کہیں کوئی نئی زندگی لکھی جائے

تو میری التجا ہے...

خُدا سے، کاتبِ تقدیر سے...

"مجھے مت لکھنا...

نہ کسی کی بیٹی، نہ کسی کا پیار

نہ رشتہ، نہ یاد...

بس...

مجھے نہ لکھنا"...

)محمد فرہان(

اس کی آواز لرز اٹھی تھی،اس نے سر اٹھا کے دیکھا کوئی تھا جو اسے سن رہا تھا،

مگر،

اب،

اسے کوئی فرق نہیں پڑتا،،

اس نے پھر سے اپنا سر گھٹنوں میں دے دیا تھا،،

اور سامنے پڑا کھانا اپنی قسمت پے رو رہا تھا،

گھر میں چارپائی پر سجاد بیٹھا تھا،اس کا دایاں ہاتھ پٹی سے بندھا تھا،جو ابھی تک زخموں سے چور تھا۔کلثوم،اس کی ماں،اسے ہاتھ سے کھانا کھلا رہی تھی،اس کی آنکھوں میں بیٹے کے لیے فکر اور پیار تھا۔کمرے میں لکڑی کی انگیٹھی کی ہلکی سی گرمی تھی،لیکن فضا میں ایک

عجیب سا تناؤ تھا۔ عرفان دروازے کے پاس کھڑا تھا، اس کے چہرے پر ایک مسکراہٹ تھی، جیسے وہ کوئی بڑا کارنامہ سرانجام دے آیا ہو۔

عرفان (خوشی سے، فخریہ لہجے میں):

"بھائی، ہمارا بدلہ پورا ہو چکا ہے! میں نے اس لڑکی سے ایسا بدلہ لیا کہ اس کا پورا خاندان یاد رکھے گا!" سجاد نے چونک کر اس کی طرف دیکھا، اس کی آنکھوں میں حیرت تھی۔

کلثوم کا ہاتھ رُک گیا، اس نے عرفان کو گھورا۔

سجاد (حیرت سے):

"عرفان، تُو کس کی بات کر رہا ہے؟"

عرفان نے مسکراتے ہوئے اپنی چارپائی پر بیٹھتے ہوئے کہا، اس کی آواز میں ایک فخر تھا۔

عرفان (ہنستے ہوئے):

"بھائی، میں نے اسے برباد کر دیا! آج کے بعد وہ کبھی ہماری طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھے گی۔ اور یہ زاہد بھائی کہاں ہے، دکھائی نہیں دے رہا..."

"کلثوم (بیچ میں کاٹتے ہوئے، سخت لہجے میں):

"اس نے ایک کام ڈھونڈا ہے، اور تو کس لڑکی کی بات کر رہا ہے،؟" عرفان نے دونوں کو دیکھا، اس کی مسکراہٹ ابھی تک قائم تھی۔

عرفان (فخر سے):

"اسی لڑکی کی، امی! جو بھائی کی اس حالت کی ذمہ دار ہے۔ میں نے اسے پیار کے جال میں پھنسایا، شادی کا جھانسہ دیا اور پھر..." اس سے پہلے کہ وہ اپنی بات مکمل کرتا، کلثوم کا ہاتھ عرفان کے رخسار پر پڑا۔ زوردار تھپڑ کی آواز کمرے میں گونجی، اور عرفان کا چہرہ ایک طرف کو مڑ گیا۔ سجاد نے بھی چونک کر کلثوم کو دیکھا

کلثوم (غصے اور بے یقینی سے):

"عرفان کیا بول رہا ہے، میں نے تیری ایسی تربیت تو نہیں کی، ! تیرا باپ تو عورتوں کی عزت کرتا تھا۔ اور تُو... تُو ایک لڑکی کی عزت سے کھیل رہا ہے؟" عرفان نے اپنا گال پکڑا، اس کی آنکھوں میں حیرت اور غصہ تھا۔ عرفان (دھیمی آواز میں):

"لیکن امی... بھائی کی یہ حالت...

"سجاد (بیچ میں کاٹتے ہوئے، سخت لہجے میں):

"ہماری غلطی ہے یہ حالت، عرفان! ہم خود اس کے ذمہ دار ہیں!" عرفان نے سجاد کو حیرت سے دیکھا، اس کا منہ کھلا رہ گیا۔

عرفان (لرزتی آواز میں):

"بھائی... یہ کیا بول رہے ہو؟"

"سجاد نے گہری سانس لی، اس کی آواز میں شرمندگی اور درد تھا۔

سجاد (دھیمی، بھاری آواز میں):

"ہاں، عرفان۔ ہم نے اس پر حملہ کیا تھا۔ ہم نے اس کی عزت لوٹنے کی کوشش کی۔ اس سے بدسلوکی کرنے کی کوشش کی۔ وہ تو بس رستہ دیکھے اپنے گھر جا رہی تھی۔ اور وہ ڈری ہوئی تھی، اس میں کہاں دم تھا؟ اس کا بھائی نہ آتا تو... ہم اس کی عزت سے کھیل چکے ہوتے۔" عرفان کے قدم پیچھے ہٹے، اس کا چہرہ سفید پڑ گیا۔ اس کی مسکراہٹ غائب ہو چکی تھی، اور مسکراہٹ کی جگہ پچھتاوا نے لے لی تھی۔ اس کے کانوں میں آریا کی آواز گونجی: "میری بھی تو کوئی وجہ ہو گی، عرفان"!

اس کا مرجھایا ہوا چہرہ اس کی آنکھوں کے سامنے آ گیا۔۔

کلثوم (حیرت سے دونوں کو دیکھتے ہوئے۔۔)

کیا۔تم نے اس کے ساتھ زبردستی کرنے کی کوشش کی۔۔اس کا چہرا غصے سے لال ہو گیا تھا۔۔

یااللہ کیسی اولاد دے دی تم نے مجھے۔۔

عرفان(تڑپ کر)

ماں ایسا تو نا کہے۔۔وہ شرمندہ تو تھا پر ساتھ میں دکھی تھا۔۔

کلثوم،(غصے سے)

اب جااور اس سے معافی مانگ ورنہ یہاں تیرے لیے کوئی جگہ نہیں،،تم دونوں نے میرا سر شرم سے جھکا دیا۔۔

عرفان(خود کلامی،دھیمی آواز میں):

"یہ... یہ میں نے کیا کر دیا؟"وہ اچانک پلٹا اور دروازے کی طرف بھاگا،اس کی سانس تیز تھی۔کلثوم اور سجاد نے ایک دوسرے کو دیکھا،ان کی آنکھوں میں پریشانی تھی۔اسے کیا ہو گیا۔۔سجاد حیرت سے بولا۔۔

تم لوگوں کو کچھ ہونا ہے۔۔وہ اسے غصے سے دیکھتی وہاں سے چلی گئی

عرفان گاؤں سے نکل کر ایک کھلے میدان میں پہنچا۔ دھند کی ایک ہلکی سی چادر زمین پر پھیلی تھی، جیسے بادل زمین سے لپٹ رہے ہوں۔

دور کہیں ایک چرواہا اپنی بکریوں کو چرا رہا تھا، اور ہری گھاس کی خوشبو ہوا میں گھلی تھی۔

عرفان ایک پتھر پر بیٹھ گیا، اس کا سر ہاتھوں میں تھا۔ اس کے دل میں ایک طوفان اٹھ رہا تھا۔

فلیش بیک (6 دن پہلے)

جنگل کی ایک جھونپڑی کے باہر آریا کھڑی تھی، اس کا چہرہ غصے سے بھرا تھا۔ کچھ دیر پہلے اس پر حملہ ہوا تھا، اور وہ بال بال بچی تھی۔ عرفان اس کے سامنے کھڑا تھا، اس کی نظریں زمین پر جھکی تھیں۔

آریا (غصے سے چلاتی ہوئی):

"عرفان، وہ کون تھے؟!" عرفان نے نظریں چرا لیں، اس کی آواز میں جھجک تھی۔

عرفان (دھیمی آواز میں):

"مجھے... نہیں پتا، آریا۔

”آریا نے اسے گھورا، اس کی آنکھیں اب نم ہو رہی تھیں۔

آریا (چلاتی ہوئی):

وہ مجھ پر نہیں میرے میری عزت پے حملہ کرنے آئے تھے،،

عرفان (آریا کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سخت لہجے میں)

مجھے نہیں پتا،

آریا (غصے سے دیکھتے)

“ نہیں پتا؟ وہ بار بار تیری طرف کیوں دیکھ رہے تھے؟ وہ تیرے ہی آدمی تھے، نا؟ بولو

وہ تمھارے ہی آدمی تھے نا؟

”عرفان نے ایک لمحے کے لیے خاموشی اختیار کی، پھر اس نے سر اٹھایا۔ اس کی

آنکھوں میں ایک سردی تھی۔

عرفان (سخت لہجے میں):

“ ہاں، وہ میرے آدمی تھے۔ کیونکہ میں تجھ سے بدلہ لینا چاہتا تھا، آریا!

”آریا کی نظریں حیرت اور درد سے بھر گئیں۔ اس کی آواز بمشکل نکلی۔

آریا (لرزتی آواز میں):

بدلہ۔۔۔۔

عرفان(اس کی حالت کا مزہ لیتے ہوئے۔۔)

ہاں بدلہ تجھ سے۔۔

آریا(بے یقینی سے دیکھتی)

" عرفان...تو... تو مجھ سے پیار کرتا تھا نا؟"

عرفان نے ایک زہریلی ہنسی ہنسا، جو جنگل کی خاموشی کو چیر گئی۔

عرفان(طنزیہ لہجے میں):

" پیار؟آریا، یہ سب ایک بدلہ تھا۔تُو... تُو بس میرا وقت گزارنے کا بہانہ تھی۔"آریا کا چہرہ سفید پڑ گیا۔اس کا دل جیسے ہزار ٹکڑوں میں بکھر گیا۔

وہ ایک قدم پیچھے ہٹی، اس کی سانس تیز ہو گئی۔

" لیکن...کیوں، عرفان؟ میں نے تو تجھ پر سب سے زیادہ بھروسہ کیا۔اس کی آواز ٹوٹنے لگی تھی۔۔

تُو میرا...میرا سب کچھ تھا۔میں نے کہا تھا کہ مجھے دھوکہ مت دینا، ورنہ میں بکھر جاؤں گی"!

آریا کا جسم آب کانپنے لگا

۔وہ آگے بڑھا،اس کی آواز زہر سے بھری تھی۔

عرفان(سرد لہجے میں):

" پیار؟،آریا۔رات تو میں تیرے ساتھ گزار سکتا ہوں، لیکن پیار؟ نہیں"!

آریا کا جسم ساکت ہو گیا۔وہ دیوار کا سہارا لینے لگی۔اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں،

لیکن وہ رو نہ سکی۔اس کا دل چیخ رہا تھا :

میں اس کے لیے کتنی بے وقوف تھی؟

آریا(لرزتی آواز میں):

" لیکن...کیوں، عرفان؟ میں نے تیرا کیا بگاڑا؟تُو نے کہا تھا کہ تُو مجھ سے شادی کرنا

چاہتا ہے!

"عرفان کا چہرہ غصے سے لال ہو گیا۔وہ چلایا:

عرفان(غرجتے ہوئے):

" شادی؟تُو جانتی ہے تو نے کیا کیا؟تو نے میرے بھائی کو مارا،آریا!اس کا بازو توڑا،اس

کے پاؤں توڑے!وہ اب تک چل نہیں سکتا۔وہ بول بھی نہیں سکتا تھا،لیکن شکر ہے اب

وہ بولنے لگا ہے۔ ورنہ تو نے کوئی کسر نہیں چھوڑی!" آریا کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ اس کی آواز چیخ بن گئی۔

آریا (روتے ہوئے):

" لیکن... میری بھی تو کوئی وجہ ہو گی، عرفان! میں نے کبھی بے وجہ کسی کو نہیں مارا!" عرفان نے ایک اور زہریلی ہنسی ہنسا۔

عرفان (نفرت سے):

" وجہ؟ تُو ایک جنگلی ہے، آریا۔ ایک خونی، جو لوگوں کو بے وجہ مارتی ہے۔ اور تُو نے سوچا کہ میں اپنے بھائی کے مجرم سے پیار کروں گا؟ جب تو نے میرے بھائی کو مارا، ہمارے گاؤں والے ہم پر ہنستے تھے، ہمیں بے عزت کرتے تھے۔

لیکن میں نے تجھے اس کی آدھی سزا دی ہے!" آریا کا دل جیسے بکھر گیا۔ وہ اپنا چہرہ ہاتھوں سے چھپا کر سسکنے لگی۔ اس کی سسکیاں جھونپڑی میں گونج رہی تھیں، ہر سسکی اس کے دل کے ٹوٹنے کی گواہ تھی۔

عرفان (چلاتی ہوئی):

" اب یہاں سے چلی جا! اور کبھی اپنی یہ شکل مجھے مت دکھانا"!

آریا نے اپنی دھندلی آنکھوں سے اسے دیکھا، جیسے وہ کوئی معجزہ مانگ رہی ہو۔

لیکن عرفان کا چہرہ پتھر کی طرح سخت تھا۔

آریا (دکھ بھری آواز میں):

"میں وعدہ کرتی ہوں... آج کے بعد کبھی اپنی شکل نہیں دیکھاؤ گی۔ مجھے نہیں پتا تھا کہ تُو میری عزت اور بھروسے کے ساتھ کھیلے گا۔ اور تو ہی ڈھونڈنا اب مجھے،،

"وہ ہچکیوں کے ساتھ اٹھی،،اور جھونپڑی سے باہر نکل گئی۔ جنگل کی تاریکی نے اسے اپنی آغوش میں لے لیا۔ اس کی جیب اس کے لیے کھڑی تھی، لیکن اسے کچھ نظر نہ آ رہا تھا۔ وہ بے ہوشی کے عالم میں چلی جا رہی تھی، اس کا دل، اس کی امید، اس کی دنیا—سب کچھ ٹوٹ چکا تھا۔

موجودہ وقت

عرفان میدان میں بیٹھا تھا، اس کی نظریں دھند میں کھوئی تھیں۔ اچانک ایک بکری اس کے سامنے آ کر رُکی، اس کی معصوم آنکھیں عرفان کو گھور رہی تھیں۔ ایک لمحے کے لیے

عرفان رُکا، جیسے وہ اس کی آنکھوں میں اپنا پچھتاوا دیکھ رہا ہو۔ بکری آہستہ سے چلی گئی، اور عرفان نے گہری سانس لی۔

وہ اٹھا اور گاؤں کے باہر کھڑی اپنی جیب کی طرف بڑھا۔

جیب کی چمک اب دھندلی پڑ چکی تھی، جیسے اس کی اپنی روح کی طرح۔ وہ جیپ میں بیٹھ گیا۔

جیب کے اندر اسے ایک لاکیٹ ملا، جس پر کچھ لکھا تھا۔ اس نے ہار اٹھایا اور پڑھا: ''کنزہ وِدانوشہ''۔ عرفان نے لاکیٹ کو گھورا، اس کا دل دھک سے رہ گیا۔ اس نے ہار کو جیپ میں رکھا اور خود سے بڑبڑایا:

عرفان (دھیمی آواز میں):

" آریا... یہ جیپ تیری ہے، میری نہیں۔ یے تیری امانت ہے۔ اس نے انجن سٹارٹ کیا،

اور گاؤں کی طرف بڑھ گیا۔ دھند اس کے پیچھے چھوٹتی جا رہی تھی، لیکن اس کا پچھتاوا اس کے دل میں گہرا ہوتا جا رہا تھا۔

جنگل کی گہرائیوں سے نکل کر عادل، انوشہ، اور زوہیب ایک کھلے میدان میں پہنچے۔ دھند کی ہلکی سی چادر زمین پر پھیلی تھی، اور دور سرسبز گھاس کے بیچ ایک گاؤں نظر آ رہا تھا۔

انوشہ اور زوہیب کی آنکھوں میں سکون کی ایک چمک تھی—

کئی دنوں سے وہ جنگل کے خوف میں گھرے تھے، اور یہ منظر ان کے لیے کسی خواب سے کم نہ تھا۔

انوشہ (دھیمی آواز میں، حیرت سے):

"زوہیب... یہ گاؤں... کتنا خوبصورت ہے۔"

زوہیب نے اپنا زخمی سر پکڑا، لیکن اس کے چہرے پر ایک ہلکی مسکراہٹ تھی۔

زوہیب (مذاقاً):

"ہاں، بس اب یہیں بس جائیں؟ یا جنگل واپس چلیں؟"

عادل آگے چل رہا تھا،

اس کا چہرہ سنجیدہ تھا۔

اس نے مڑ کر دونوں کو دیکھا اور کہا:

"ہم اس گاؤں کی طرف جائیں گے۔

اب چلو! لہجہ سخت لیکن پر اعتماد تھا

"انوشہ کی نظریں بار بار عادل پر جا رہی تھیں۔اس کا دل بے چین تھا—عادل کی سردی،اس کا غصہ،اور پھر اس کی حفاظت... یہ سب اسے پریشان کر رہا تھا۔وہ خود سے سوچ رہی تھی: مجھے ہو کیا رہا ہے؟

وہ اب بھی بچپن کی باتوں کو نہیں بھولی تھی،

وہ چاہتی تھی،کہ اب بھی وہ عادل سے نفرت کرے،،اور وہ پوری کوشش کے ساتھ کر رہی تھی۔

اس سے نفرت،

وہ گاؤں کے قریب پہنچے،جہاں لکڑی کے گھر اور ان کے چھوٹے چھوٹے آنگن ایک گرمجوش ماحول بنا رہے تھے۔

اچانک ایک آدمی ان کے سامنے آیا،اس کے ہاتھ میں ایک لکڑی کا ڈنڈا تھا۔

آدمی (سخت لہجے میں):

"کون ہو تم؟ اور یہاں کیوں آ رہے ہو؟

"انوشہ اور زوہیب پیچھے ہٹے، لیکن عادل نے پر اعتماد انداز میں جواب دیا۔

عادل (زوہیب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے):

"اس کے سر پر چوٹ لگی ہے۔ سوچا،

یہاں ایک رات آرام کر لیں اگر آپ چاہیں تو۔ ہم کل صبح نکل جائیں گے۔

"آدمی (مشکوک نظروں سے):

"ہمم... ٹھیک ہے، لیکن...

"عرفان (پیچھے سے آتے ہوئے، گہری آواز میں):

"کیا ہو رہا ہے یہاں؟

"آدمی نے مڑ کر عرفان کو دیکھا اور جلدی سے بتایا:

آدمی: "عرفان بھائی، یہ لوگ گاؤں میں آ رہے تھے۔ کہتے ہیں اس کے سر پر چوٹ لگی ہے، ایک رات رہنا چاہتے ہیں۔" عرفان نے تینوں کو سر سے پاؤں تک دیکھا، اس کی آنکھوں میں ایک چھپی ہوئی چوکسی تھی۔

پھر اس نے آدمی کو اشارہ کیا۔

عرفان (آدمی کو):

"تم جاؤ، میں ان سے بات کرتا ہوں۔

"آدمی چلا گیا، اور عرفان عادل، انوشہ، اور زوہیب کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ اس کے چہرے پر ایک ہلکی سی مسکراہٹ تھی، لیکن اس کی نظریں تیز تھیں۔

عرفان (نرمی سے، لیکن چوکسی کے ساتھ):

"دوست، معاف کرنا۔ آج کل خطرے بڑھ گئے ہیں، اس لیے ہم اجنبیوں سے محتاط رہتے ہیں۔

چلو، میرے پیچھے آؤ۔" وہ آگے چلا، اور عادل نے انوشہ اور زوہیب کو اشارہ کیا کہ اس کے پیچھے چلیں۔

عادل (عرفان کے پیچھے چلتے ہوئے):

"کوئی بات نہیں۔ یہ اچھا ہے کہ آپ اپنے لوگوں کی حفاظت کرتے ہیں۔

"عرفان ایک لکڑی کے گھر کی طرف بڑھا، جس کی دیواریں، چھت، اور آنگن سب لکڑی سے بنے تھے۔

گھر کے باہر ایک چمکتی ہوئی جیپ کھڑی تھی، جس کی چمک دھند میں بھی نمایاں تھی۔ عرفان (گھر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے):

"تم سب یہاں رہ سکتے ہو۔ بیٹھو، میں دوائی لے کر آتا ہوں۔" وہ انوشہ کو دیکھتے ہوئے بولا،

جو جیپ کو غور سے دیکھ رہی تھی۔

انوشہ کے چہرے پر ایک بچکانہ حیرت تھی۔

انوشہ (حیرت سے):

"یہ جیپ... کتنی چمک رہی ہے! ہماری گاڑی تو بالکل کچرا ہے۔ لگتا ہے جیسے کوئی لنگڑا گھوڑا ہو!

"عرفان انوشہ کی بات پر مسکرایا اور گھر کے اندر چلا گیا۔

عادل اور زوہیب کی نظریں انوشہ پر گئیں،

دونوں کے چہروں پر غصہ تھا۔

زوہیب (منہ بناتے ہوئے):

"ہاں، تو اس سے شادی کر لے! یہ جیپ مل جائے گی"!

انوشہ نے زوہیب کو گھورا،

انوشہ (غصے سے):

" تم اپنا منہ بند ہی رکھو"!

زوہیب (دیوار سے ٹیک لگاتے ہوئے):

" ہاں، خود کا منہ تو جیسے رسیوں سے بندھا ہے!

"انوشہ ہنس پڑی زوہیب کی اس بات پر،
اس کی ہنسی گھر کے آنگن میں گونجی۔

انوشہ (ہنستے ہوئے):

" کیا بولا تو نے؟ ہاہاہا"!

عادل نے انوشہ کی ہنسی دیکھ کر ہلکی سی مسکراہٹ دی، لیکن فوراً اپنا چہرہ سخت کر لیا۔

عرفان واپس آیا، اس کے ہاتھ میں جڑی بوٹیاں اور پٹی تھی

۔عرفان (مذاقاً):

" بھائی، کس بات پر ہنس رہے ہو؟ ایسا کیا ہو گیا،
کچھ بھی نہیں، دونوں بچے ہیں تو لڑ رہیں ہیں،

عادل دونوں کو دیکھ کے بولا،،

انوشہ (بڑبڑائی)

کھڑوس کہیں کا

"وہ زوہیب کے پاس بیٹھا اور اس کے سر کے زخم کو دیکھنے لگا۔

عرفان (زوہیب سے):

" یہ چوٹ کیسے لگی؟

عادل (سنجیدگی سے):

" کچھ لوٹیروں نے حملہ کیا تھا۔ وہیں لگی ہے یہ چوٹ۔

"عرفان نے زوہیب کو دیکھا،

عرفان (حیرت سے)

" کیا، تمہیں لڑنا نہیں آتا؟"

" اگر آتا تو ایسی حالت نہ ہوتی۔

عادل نے پٹی باندھتے ہوئے کہا

"عرفان نے عادل کی طرف دیکھا، اس کی نظریں تیز تھیں۔

عرفان (سوال کرتے ہوئے):

"اور تم کیا کر رہے تھے وہاں؟" عادل نے اپنے بال درست کیے، اس کی آواز میں ایک ہلکی سی طنزیہ مسکراہٹ تھی۔

"مجھے تھوڑا پیچھے چھوڑ آئے تھے... کسی کی دعوت پر۔ ذرا دیر سے پہنچا۔

عادل نے استہزایہ لہجے میں کہا

"انوشہ نے عادل کی بات سنی اور اسے گھورنے لگی۔ اس کا ہاتھ بے اختیار اس کے گلے میں پڑے لاکٹ پر چلا گیا، جسے وہ بار بار چھو رہی تھی۔

عرفان کی نظر انوشہ کے لاکٹ پر پڑی، اور اس کی آنکھیں سکڑ گئیں۔ اس کی آواز اچانک سخت ہو گئی۔ عرفان (سخت لہجے میں):

"یہ لاکٹ... مجھے دے دو! لڑکی، تو نے یہ کیوں اٹھایا؟

"انوشہ نے حیرت سے عرفان کو دیکھا، اس کی آواز میں غصہ تھا۔

انوشہ (حیرت سے):

"یہ میرا ہے! میں نہیں دوں گی!

"عرفان نے اپنی جیب کی طرف اشارہ کیا۔

عرفان (مشکوک لہجے میں):

"تو نے یہ جیب سے اٹھایا ہے، نا؟

"انوشہ نے سر ہلایا، اس کی آنکھوں میں بے یقینی تھی۔

انوشہ (جھنجھلا کر):

" نہیں! یہ میرا اپنا ہے۔ میرے بابا نے دیا تھا!

"عرفان کی آنکھوں میں اچانک ایک چمک آئی، جیسے اسے کوئی راز سمجھ آیا ہو۔ اس کی آواز میں حیرت اور خوشی کا امتزاج تھا۔

عرفان (جذباتی ہو کر):

" کیا... کیا تُو آریا کی بہن ہو؟

"عادل اور زوہیب نے انوشہ کی طرف دیکھا، دونوں کے چہروں پر حیرت تھی۔ انوشہ خود پریشان اور گھبرائی ہوئی تھی۔

انوشہ (حیرت سے):

" نہیں! وہ کون ہے؟ میں تو اسے جانتی ہی نہیں!

"عرفان اٹھا اور تیزی سے جیب کی طرف گیا۔اس نے جیب سے ایک لاکٹ نکالا اور انوشہ کو دکھایا۔

عرفان (جوش سے):

"یہ دیکھ!" انوشہ نے لاکٹ دیکھا—وہ بالکل اس کے لاکٹ جیسا تھا، وہی ڈیزائن، وہی چمک۔

اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

انوشہ (لرزتی آواز میں):

"یہ کون ہے؟ اور اسے کہاں سے ملا۔۔

"عرفان نے گہری سانس لی،

۔عرفان (دھیمی لیکن واضح آواز میں):

"اس نے بتایا کہ وہ حیدر کی بیٹی ہے... حیدر شمشیر۔

اور یہ اس کو اس کے باپ نے دیا تھا۔۔

"انوشہ کا دل دھک سے رہ گیا۔

عادل اور زوہیب نے ایک دوسرے کو دیکھا،

ان کی آنکھوں میں حیرت اور سوالات تھے۔انوشہ کا چہرہ سفید پڑ گیا، جیسے عرفان نے کوئی بم پھوڑ دیا ہو۔

دروازہ دھڑام سے کھلا،اور کمرے کی تاریخی میں دو سائے نمودار ہوئے۔

آریا اپنے گھٹنوں میں سر دیے زمین پر بیٹھی تھی،اس کا جسم سردی سے کانپ رہا تھا۔

اس کے بال بکھرے ہوئے تھے،اور اس کا چہرہ زخموں اور تھکاوٹ سے بوجھل تھا۔

ساد اور باسط (نواز) اندر داخل ہوئے،ان کی آوازیں کمرے کی سرد خاموشی کو توڑ رہی تھیں۔

باسط (طنزیہ لہجے میں، ساد سے):

"ساد بھائی، سردار حیدر اور ریحا آنٹی اتنی تکلیف میں ہیں،اور یہ یہاں آرام سے بیٹھی ہے"!

ساد نے آریا کی طرف دیکھا،اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سی کشمکش تھی۔

باسط کی باتوں نے اسے اندھا کر رکھا تھا،

لیکن آریا کی حالت اس کے دل کو چھو رہی تھی۔

وہ آریا کے قریب آیا اور اس کے سامنے بیٹھ گیا۔

ساد (دھیمی، لیکن سخت آواز میں):

" آریا... بتا، کون تھا تیرے ساتھ؟ کس کے کہنے پر کیا تو نے یہ سب؟"

آریا نے سر اٹھایا،

اس کے ہونٹ سردی سے نیلے پڑ چکے تھے۔ اس کا جسم کانپ رہا تھا،

لیکن اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سی ثابت قدمی تھی۔

آریا (لرزتی آواز میں):

" میں... کبھی اپنوں کو دھوکا نہیں دیتی،

ساد۔ مجھے کچھ نہیں پتا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے، آریا نے آگے کہا،، مجھے نہیں پتا

کہ ابو حیدر اور امی ریحا پر کس نے حملہ کیا،

نہ یہ کہ میں ابھی زندہ کیوں ہوں!" اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے، لیکن اس کی آواز

میں ایک عزت تھی۔

آریا(روتے ہوئے):

"تم مجھے تکلیف دو یا نہ دو، لیکن میں نے کچھ نہیں کیا! میں اتنی ظالم نہیں کہ اپنے ماں باپ پر حملہ کروں!" ساد کا چہرہ سخت ہو گیا،

لیکن اس کی آنکھوں میں ایک ہلکی سی ہمدردی جھلکی۔ وہ اٹھا، اپنا جیکٹ اتارا، اور آریا کے کندھوں پر ڈال دیا۔

ساد(دھیمی آواز میں):

"یہ لے..." آریا نے جیکٹ کو اپنے جسم سے لپیٹ لیا، اس کی گرماہٹ سے اسے ایک لمحے کے لیے سکون ملا۔ اس نے اپنے ہاتھ جیکٹ کی آستینوں میں ڈالے، لیکن اس کی نظریں زمین پر جمی رہیں۔

باسط نے یہ دیکھ کر اپنی مٹھی بھینچی، اس کی آنکھوں میں حسد اور غصہ بھر گیا۔

باسط(چڑچڑاہٹ سے):

"ساد بھائی، یہ ڈرامہ کر رہی ہے! اسے سخت سزا دو!" ساد نے آریا کو ایک بار پھر دیکھا،

اس کی آواز میں غصہ اور بے صبری تھی۔

ساد(سخت لہجے میں):

"دیکھ، آریا، مجھے مجبور مت کر۔ آرام سے بتا۔ اگر تو نے سچ نہ بتایا تو... میں کچھ بھی کر سکتا ہوں میں تمہیں تکلیف دینا نہیں چاہتا،، اگر تم بتا دیتی ہو، تو میں تمھیں کچھ نہیں کہوں گا، بابا جو فیصلہ لیں گے، وہ میں مانوں گا۔ چاہے وہ تجھے چھوڑ دیں یا... مار دیں۔

"آریا نے سر جھکائے رکھا، اس کی سسکیاں کمرے میں گونج رہی تھیں۔

آریا(دھیمی، بے بس آواز میں):

" میں کچھ نہیں کہوں گی... کیونکہ میں نے کچھ کیا ہی نہیں۔

"ساد نے ایک گہری سانس لی، اس کا چہرہ غصے اور مایوسی سے بھر گیا۔

وہ اٹھا اور دروازے کی طرف بڑھا۔

ساد(سرد لہجے میں):

" ٹھیک ہے... تیرا فیصلہ ہو چکا۔

"باسط نے آریا کو ایک گھٹیا مسکراہٹ دی اور ساد کے پیچھے چلا گیا۔

دروازہ بند ہوتے ہی کمرہ دوبارہ تاریکی اور خاموشی میں ڈوب گیا۔

آریا اپنے گھٹنوں میں سر دیے سسکنے لگی،

جیکٹ کی گرماہٹ اس کے ٹھنڈے دل کو سکون نہ دے سکی،

"خوابوں سے زیادہ آنسوؤں سے دوستی کر بیٹھے"

"جینے کی خواہش میں لمحہ لمحہ مر بیٹھے"

رات کے سائے آہستہ آہستہ پھیل رہے تھے،

اور سردی تھی، کہ، بڑھتی جارہی تھی،،ڈسمبر کا مہینہ چل رہا تھا،

وہ چاروں بیٹھے باتیں کر رہے تھے، کچھ دیر پہلے ہی عادل اور عرفان دونوں مل کے شکار کر آئے تھے،، سبزی بھی تھی، جیسے گاجر, آلو اور دوسری،

وہ ایک ہرن کا شکار کر کے آئے تھے، کچھ گائوں والوں کو دیا تھا اور کچھ خود لے کے آئے تھے،

ان سب نے گھیرا بنایا ہوا تھا آگ کے چاروں طرف،

زوہیب، (جلدی سے بولا)

یار مجھے کافی دن ہوئے کوئی گانا نہیں سنا، چلو آج سب گاتے ہیں،،

انوشہ (ان کو دیکھتے ہوئے)

اب آئے گا نامزا۔۔

عرفان نے بھی ہاں میں سر ہلایا،

جب کہ عادل منع کرتا رہا۔ مگر کسی نے نہیں سنی،،

پہلے باری آئی عرفان کی جو اس نے خود لی تھی،،

اگلی باری، عادل کی تھی، جو نمبر وار بیٹھا تھا،

مجبوراً عادل کو گانا پڑا، پر اس نے پوچھا کے کونسا سننا پسند کرو گے،،

عرفان نے کہا، کہ تمہیں جو اچھا لگے،

عادل ٹھیک کہتے اشارہ کیا گٹار کا،

عرفان نے گٹار پکڑا اور بجانا شروع کر دیا،

"انجام ملا مجھ کو، یے آنکھ لڑائی کا"

"اب جینے نہیں دے گا، یے درد جدائی کا"

"یے درد دیا جس نے، میرا یار پرانا تھا،

دل ٹوٹ گیا، دل ٹوٹ گیا،،

)عادل رکا،،، مگر گٹارا ابھی بھی بج رہا تھا

عرفان،

واہ یار کیا گا رہے ہو،، سارے درد جگا دیے،،

وہ مسکراتے مسکراتے دکھی ہو گیا تھا،، اسے اچانک آریا یاد آئی تھی،

آگے گاؤ بھائی،، عرفان نے بولا،

انوشہ بھی تالیوں سے اس کے گانے کو سپورٹ کر رہی تھی, جب کہ زوہیب انجوئے کر رہا تھا،(

"جب چوٹ لگی دل کے، ارمانوں کی نگری میں،"

"میں دوڑا چلا آیا، بیگانوں کی بستی میں"

)واہ کیا شاعری کے بھائی واہ،،وہ گٹار بجاتے بولا تھا،

مگر عادل کے لبوں پر مسکراہٹ نہ لا پایا،،

انوشہ اس دیکھ رہی تھی،اس کے ہر حرکت پر نظر تھی،اور زوہیب کو بھی لگنے لگا تھا،عادل شاید اب سیریس ہو رہا ہے،(

"میرے اپنے ہی لوگوں نے۔۔ہائے۔۔

"میرے اپنے ہی لوگوں نے،میرا درد نہ جانا تھا،"

"دل ٹوٹ گیا،دل ٹوٹ گیا،"

"شیشے کا تھا دل میرا،پتھر کا زمانہ تھا،

"دل ٹوٹ گیا،ہائے،دل ٹوٹ گیا،

اب گٹار بھی بجنا بند ہو چکا تھا،اور رات بھی اپنا اثر دیکھا رہی تھی،،

سب نے کھانا کھانے کاارادہ کیا،اور سب کھانا کھانے بیٹھ گئے،

انوشہ کی نظر عادل پر تھی،جو عرفان سے باتیں کر رہا تھا،اور کھانا بھی کھا رہا تھا۔

جو اسے نظر انداز کرے جا رہا تھا،جب سے وہ ان سے دوبارہ ملا ہے،

اب عرفان چلا گیا تھا،،ساتھ ہی زوہیب کو لے کر گیا تھا،کیونکہ زوہیب کو کچھ دوایاں

دینی اور ساتھ میں کچھ مرہم لگانی تھی،عرفان کا گھر اس گھر کے پاس ہی تھا،،

اِس گھر میں ایک کمرا تھا اور ایک آنگن،آنگن بھی کمرے کی طرح بند تھا جہاں سب نے

کھانا کھایا تھا ابھی،

،،سردی بھی بہت پڑ رہی تھی،

عادل(انگن والی چارپائی کو سیٹ کرتے ہوئے،،)

میں یہیں سو رہا ہوں،تم اندر سو جانا،

انوشہ(اپنے بالوں کو پیچھے کرتے ہوئے،،)

مجھے اکیلے ڈر لگتا ہے،میں اکیلے نہیں سو سکتی،

عادل(روک کر انوشہ کو دیکھتے کوئے،)

تو کیا یہاں تمھارے لیے پہرے دار لگا دوں

انوشہ(منہ بگاڑتے ہوئے)

تم اتنے کھڑوس کیوں ہو،،سیدھے منہ بات ہی نہیں کرتے،تم ایسے کیوں ہو،جو بات بولو اس کا الٹا جواب

عادل(دوٹوک طریقہ سے)

مجھے نہیں معلوم کہ میں ایسا کیوں ہوں،

انوشہ،(اسے دیکھتے ہوئے،)

تم شاید اسی بات پے اڑے ہو نہ جو ہم نہ کی،تو میں معافی مانگتی ہوں تم سے،مجھے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا،،بس اب تو خوش ہو جائو،

عادل(اس کو حیرت سے دیکھتے ہوئے)

مجھے فرق نہیں پڑتا،عادت ہو گئی ہے ان سب کی،

انوشہ،(حیرت اور غصہ سے)

ہم تمھیں مرنے کہ لیے چھوڑ گئے،

اور تم کہہ رہے ہو کہ فرق نہیں پڑتا،تم انسان ہو کہ پتھر،،

عادل(اس چارپائی پے بیٹھا،لہجہ سخت ہو گیا تھا،)

ہاں میں ہوں پتھر۔۔ نہیں ہوں میں انسان۔۔ کیوں ہوں ایسا تو سنو ماں میری مر گئی مجھے اکیلا چھوڑ کر،

باپ نے کبھی پیار سے سر پر ہاتھ نہیں پھیرا،،

جب بھی کسی کام میں دیر ہوتی،

باپ ڈانٹ دیتا تھا، کبھی تو مارتا بھی تھا،،

تو بتاؤ میں کیسا بنتا؟

امی نے کبھی بھی پیار سے بات نہیں کی،، جب بھی کھانا مانگتا کہتی خود لے لو،،

6 سال کا بچہ تھا، میں اور زوہیب ہم عمر تھے پر زوہیب کو وہ لوریاں سناتی پیار کرتی،، پر میں ہمیشہ تنہا رہتا،

اکثر میں تنہا ڈر تا رات کو، اسی وجہ سے وہ مجھے سونے بھی نہیں دیتی تھی، کہ تم ہماری نیند خراب کرتے ہو۔۔

زوہیب کو وہ ساتھ سلاتی، مگر مجھے اپنے کمرے سے باہر بھیج دیتی،،

ابو کے ساتھ سونے کی کوشش کرتا تو، وہ بھی باہر بھیج دیتا،، کہ ماں کے ساتھ سو جاؤ، پر ماں۔۔ وہ تھوڑا سہ رکا۔

پر ماں اس تک نہ انے دیتی۔

زوہیب کو مجھ سے زیادہ میسر رہا ہمیشہ،،

ہمیشہ تنہا اکیلا رہا میں کوئی نہیں تھا میرا۔۔

تب میں وہ سارا غصہ تجھ پے کرتا، جب تو زوہیب سے کھیلتی یا بات کرتی مجھے جلن ہوتی،،، مجھے اچھا نہیں لگتا تھا، اسی لیے میں تجھے تنگ کرتا، کیونکہ میں تم سے محبت کرتا تھا،،

عادل اب انوشہ سے نظریں پھیر لیں۔۔

مجھے لگا شاید تم کبھی تو سمجھو گی،، مگر تم نے بھی مجھے نہیں سمجھا، تم نے تو مجھے یے تک کہ دیا کہ، تجھے میرے وجود سے گھن آتی ہے

اور میری شکل سے نفرت ہے،

انوشہ بس اس کی باتیں سن رہی تھی،،

اس کے آنکھ میں نمی ضرور تھی مگر آنسو نہیں تھے،

عادل (آنکھوں سے آنسو صاف کرتے،)

میں نے سوچا چلو خیر ہے،، کوئی بات نہیں شاید تم غصے میں ہو،

پر اس دن تم جب مجھے چھوڑ کر، زوہیب کو ایک بار پھر ترجیح دی، تو میں سمجھ گیا کہ، اب بات ختم ہے، میرا کچھ نہیں ہو سکتا،

میں شاید پیدا ابھی اسی بے رخی کہ لیے ہوا ہوں،

تم نے تو چھوڑا پر میرا بھائی، (اس نے سانس لی اس کی آواز بھر آئی تھی) بھائی بھی۔۔

مجھے۔۔ مرنے کہ لیے چھوڑ گیا،، اتنا برا تھا کیا میں؟

تم لوگوں کا بھی قصور نہیں ہے، کیا کروں قسمت ہی ایسی لے کر پیدا ہوا ہوں،

تو کیا کروں کس کو دوش دوں

اب بس سب سے کنارہ کر لیا ہے اب فرق نہیں پڑتا کہ کوئی مجھے مرنے کہ لیے چھوڑے یا بچائے،

میری ماں مجھے بچپن میں چھوڑ گئی یہاں اس بے رحم دنیا میں،

باپ کو مطلب ہے بس کام کا، بھائی کو بس سہارہ چاہیے،

ماں کو میری محنت چاہیے،

تم کو بس سپاہی چاہیے، پر میں کسی کے لیے کو نہیں نہیں،

تو میں کیوں امید لیے پھروں؟

امید نے بہت دھوکے دیے اب بس ہو چکی میری،

آگے امید لگائی، تو سہہ نہیں سکوں گا،، شاید ٹوٹ جائوں،

وہ اپنی آنکھوں کو صاف کرتے چارپائی پر لیٹ گیا تھا، اور کمبل اپنے چہرے پر ڈال دیا تھا،

چپ چاپ رونے کہ لیے،

کچھ دیر وہ اسے دیکھتی رہی، پھر

انوشہ اداس چہرا لیے کمرے میں چلی گئی تھی،،

"سو گئے تھے جو، میں وہ درد جگا بیٹھا،"

"اس ظالم سے جو پیارِ اظہار جتا بیٹھا،"

"شاید میرا صبر ٹوٹنے لگا ہے اب "فرہان"

"لوگ بھاگے جس بات سے، میں دل لگا بیٹھا"

صبح وہ سب باہر بیٹھے تھے، مگر ہمیشہ کی طرح آج بھی انوشہ دیر اٹھی تھی،،

وہ اٹھی تو باہر سے عادل اور زوہیب کی آواز آئی،

وہ اٹھ کے سائڈ میں رکھا پانی کا گلاس اٹھا کہ منہ دھویا، اور باہر نکلی، جاتے ہوئے اپنا جیکٹ لے گئی تھی، باہر عادل اور زوہیب دونوں آگ کے پاس بیٹھ کے ہاتھ سیک رہے تھے، اور عادل ساتھ میں چائے بھی بنا رہا تھا،

اسلام علیکم،، انوشہ کہتے ان کے ساتھ آگ کے قریب بیٹھ گئی،

وعلیکم السلام، کیسی رہی رات،، زوہیب انوشہ کو حیرت سے دیکھتے بولا تھا، کیونکہ اس کی آنکھیں ابھی بھی نیند سے بوجھل تھیں،،

انوشہ (آنکھوں کو زبردستی کھولتے ہوئے،)

یار رات دیر سے نیند آئی،،

دیر سے آئی، کیوں؟

عادل نے بھی پوچھ،

عادل کہ بولنے پر وہ بڑبڑائی،

خود بڑے دکھ سنا کہ کیوں دیر سے آئی،،

زوہیب (حیرت سے)

کیا بول رہی ہو،،

انوشہ (ہڑبڑاتے)

کچھ بھی تو نہیں،،،

وہ زوہیب کی طرف مسکرا کر دیکھا اور بولی،

عادل یہ حرکت انوشہ کی دیکھ لی تھی،

وہ جان بوجھ کے ایسا کر رہی، کہ عادل کو برا لگے، عادل نے مسکرا کر انوشہ کہ دیکھا،،

"دل کو جلانا ہم نے چھوڑ دیا، چھوڑ دیا"

"پھرتے تھے مارے مارے، تیری گلی میں پیارے"

"لے آنا جانا ہم نے چھوڑ دیا، چھوڑ دیا"

عادل گنگنانے لگا تھا،، اور انوشہ منہ بگاڑے کے زوہیب سے چائے مانگنے لگی تھی،،

تب ایک آدمی آیا وہاں،

اے تم تینوں اب یہاں سے نکلو،

یے تمھارے باپ کا گائوں نہیں ہے،،،

)دلشیر وہاں کا بدماش گنڈا تھا،، جس سے گائوں والے بھی بیزار تھی مگر وہ اسے کچھ نہیں کہ سکتے تھے,

کیونکہ اس کا باپ وہاں کا بڑا آدمی تھا،،(

وہ بدتمیزی سے بولا تھا،،

اوکے میرے دوست اگر ہمارے باپ کا نہیں ہے، تو تمھارے باپ کا تو ہے نہ، باپ کس کا بھی ہو، باپ تو باپ ہی ہوتا ہے،

عادل اس کے سامنے ہو کے اپنے مغرور لہجے میں کہا تھا

زیادہ ہوشیار بننے کی کوشش نا کر، ورنہ یہی ختم کر دوں گا، تو مجھے نہیں جانتا، کہ کون ہوں اور کس کا بیٹا ہوں،

کیوں تمہیں نہیں پتا کہ تم کون ہو،اچھی بات کہ تو نہیں جانتا،،اور مجھ سے جتنا ہو سکے اتنا دور رہو،اگر میں بتانے پر اترا کہ میں کون ہوں۔۔۔تو یہ جو تم اپنے باپ کے نام پے ناچ رہے ہو نہ،وہ سب ختم کر دوں گا،،عادل اس کے گریبان سے پکڑ کے بولا تھا،

ویسے میں بتاتا چلوں کہ مجھ سے دشمنی اچھی نہیں،

کیونکہ دشمن سے دشمنی پورے حق سے نبھاتا ہوں اور دوستی،،وہ تو میرا مثال نہیں،

اگر آگے سے مجھے دھمکی دی اپنے باپ کی نہ،تو قسم خدا کی،تیرا باپ بھی بھول جائے گا کہ اس کا باپ کون تھا،،اب جا یہاں سے،اور پھر میرے آس پاس مت بھٹکنا،عادل اس کو پیچھے کی طرف دھکا دے کہ بولا تھا،،اور وہ جلدی سے چلا گیا تھا،

سالہ سارا موڈ خراب کر دیا،

عادل اپنا منہ بگاڑتے بولا تھا،،

اور تب عرفان بھی وہاں پہنچا تھا،،

اس نے چلنے کو کہا تھا،،کیونکہ رات کھانا کھانے کے وقت عادل نے حیدر کے شہر میں چلنے کا بولا تھا،جبکہ عرفان کو خود بھی جانا تھا کیونکہ وہاں سے نہروان شہر دو تین دن کی دوری پر تھا،وہ جیپ پے جاتے ہیں،اگر پیدل جاتے ہیں تو کافی دن لگ سکتے تھے،

وہ سب پھر سے اپنے سفر پر نکل پڑتے ہیں

وہ سب جیپ کی طرف بڑھے اور بیٹھ گئے،،اور جیپ پھر اپنے سفر پر نکل پڑے،

وہ اس میدان سے نکل کر ایک پرانے راستے پر چلے جو پہاڑوں سے نکلتا تھا،،

پہاڑ اپنی بڑی بڑی اونچی چوٹیوں کی وجہ سے سورج کی روشنی کو روکے ہوئے تھے، جب کہ ٹھنڈی ہوا انہیں جما رہی تھی،، جیپ چلنے کی وجہ سے وہ اور زیادہ تیزی سے ان کے چہروں سے ٹکرا رہی تھی،،

سارا دن چلتے چلتے،، ندی کنارے پہنچے۔۔دن اب اختتام کو تھا۔۔۔اور اب وہ راج قبیلے کے قریب تھے،،

کچھ دیر بعد وہ وہاں پہنچے تھے،،،

جب زوہیب وہاں پہنچا تو حیران رہ گیا،،

وہ پورا قبیلہ اب ویران پڑا تھا،،

وہ جلدی سے نیچے اترا اور راج کے کمرے کی طرف بھاگا،،

جہاں راج زخموں سے چور نیچے پڑا تھا،

بھائی راج بھائی یہ کیا ہو گیا،،،

زوہیب نے راج کو ہلایا، جس سے وہ ہوش میں آیا،،

راج بھائی وہ اس کے پاس بیٹھ گایا،،

آخر وہ اس کا دوست تھا،

زوہیب، وہ تکلیف سے کراہا،

یے کیا ہو گیا، زوہیب کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے،،

زوہیب میری وائف کو بچالو زوہیب، ریمشہ (مس راج) کو بچالو،، وہ پریگننٹ ہے وہ اسے لے گئے،،

عادل جلدی میں اس جیپ سے دوایاں لے کر آیا تھا،،

اور زوہیب کو دی،،

زوہیب مجھے چھوڑو تم جائو، وہ کچھ دن میں نہروان شہر پر بھی حملہ کریں گے، میری ریمشہ (مس راج) کو بھی مار دینگے،، میری بیوی کو بچاؤ پلیز،، وہ اپنی بیوی کہ لیے بھیک مانگ رہا تھا،،

راج مجھے ان کمینوں کا نام بتاؤ،

جب اس کی تکلیف بڑھنے لگی تو زوہیب روتے ہوئے غصے سے بولا،

میر اکزن ارش اور وہ الظاہر ،اس کی سانس کی آخری ڈوری بھی اب ٹوٹ چکی تھی،،اور اس کا زوہیب کی طرف بڑھتا ہاتھ ،اب نیچے ڈھے گیا تھا،

نہیں راج تم ایسے نہیں جاراج رااج،،زوہیب چیخا تھا،عادل جو باہر کھڑا تھا اندر بھاگا زوہیب کو عادل سہارا دے کر باہر لے آیا تھا،،

باہر بھی کئی لوگوں کی لاشیں پڑی تھیں،

میں اس کتے کمینے کو نہیں چھوڑوں گا،

وہ جیپ سے ٹیک لگا کے بیٹھ گیا تھا،،

اس کی آنکھوں میں آنسو تھے، مگر اب اس کی کندھوں پر ایک اور بوجھ آچکا تھا،،

رمشہ (مس راج) کو بچانے کا،

انوشہ اور زوہیب بھی حیران تھے،،،

وہ رات ان لوگوں نے وہیں گزاری،

باہر رات کا سناٹا چھا گیا تھا،بس ہوا، کی وجہ سے جو پتے جھلا ملا رہے تھے ان کی سرسراہٹ کی آواز آرہی تھی،

دو دن بعد۔

دھڑام سے دروازہ پھر کھلا۔آریا اب بھی اسی ٹھنڈے فرش پر بیٹھی تھی،اس کا جسم کمزور اور چہرہ زرد پڑ چکا تھا۔ساداندر آیا،اس کا چہرہ غصے سے لال تھا۔

اس کے پیچھے زاہد تھا، جس کے ہاتھ میں ایک گرم سریااور دیگر ٹارچر کے اوزار تھے۔

زاہد کے چہرے پر ایک مایوسی تھی،۔

زاہد(سخت لہجے میں)

"اب بتاتی ہے،لڑکی؟ یاہم خود پوچھ لیں؟"آریانے سر اٹھایا،اس کی آنکھوں میں خوف تھا،لیکن اس کی آواز اب بھی ثابت تھی۔

آریا(لرزتی آواز میں):

" میں نے... کچھ نہیں کیا۔

"زاہد نے ایک کرسی کو زور سے کھینچا اور آریا کو اس پر باندھ دیا۔ اس کے ہاتھ اور پاؤں رسیوں سے جکڑ دیے گئے۔ ساد نے آریا کے سامنے کھڑے ہو کر وہی سوال دہرایا۔

ساد (سخت لہجے میں):

" آریا، آخری بار پوچھتا ہوں... کون تھا تیرے ساتھ؟ کس نے حیدر اور ریحا پر حملہ کیا؟" آریا نے سر جھکایا، اس کی سانس تیز تھی۔

آریا (دھیمی آواز میں):

" میں... کچھ نہیں جانتی۔"

زاہد نے گرم سریا آریا کے پاؤں پر رکھ دیا۔ آریا کی چیخ کمرے میں گونج اٹھی، اس کا جسم درد سے مڑ گیا۔ اس کے پاؤں سے خون بہنے لگا، لیکن زاہد نہیں رُکا۔ زاہد (سختی سے):

" اب بول، لڑکی! ورنہ یہ سریا تیرے جسم کے ہر حصے کو چھوئے گا!" ساد نے زاہد کی طرف دیکھا،

اس کی آنکھوں میں ایک ہلکی سی بے چینی تھی، لیکن وہ خاموش رہا۔ آریا کی چیخیں کمرے میں گونجتی رہیں، اس کا جسم کانپ رہا تھا۔ آخر کار، وہ درد سے بے ہوش ہو گئی۔

زاہد نے سر یا ایک طرف رکھا اور ساد کی طرف دیکھا۔

زاہد (چہرے پر سنجیدگی):

" یہ نہیں بولے گی، ساد۔ لیکن ہمارے پاس اور طریقے ہیں۔" ساد نے آریا کے بے ہوش جسم کو دیکھا، اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سا درد جھلکا۔ وہ چپ چاپ کمرے سے نکل گیا،

جب کہ زاہد نے دروازہ بند کیا۔ کمرے میں صرف خاموشی رہ گئی، اور آریا کی سانسوں کی ہلکی سی آواز گونج رہی تھی۔

شام کا وقت، نہروان

ساد ہوا کیا ہے، آج کل تم کہاں گم ہو،، اور نا تم انکل حیدر کے پاس ہو نہ ہی تم اس بیٹھک (جہاں سردار بیٹھتا ہے نہروان شہر کا اور فیصلے کیے جاتے ہیں،)

میں ہوتے ہو،، کہاں ہو آج کل،

ہیر نے ساد کو دیکھتے ہوئے سوال کیا تھا،

ساد (ہیر کی طرف دیکھتے ہوئے)

ہیر میں ان مجرموں کو

ڈھونڈنے میں مصروف ہوں جن کی وجہ سے آج میرے بابا اور ماں اتنے دنوں سے اس

ہسپٹل کے بیڈ پر پڑے ہیں،

ہیر (ادھر اُدھر دیکھتی کوئی،،)

ساد حیدر انکل کل سے تھوڑا سہ ہوش میں آنے لگا ہے مگر یے بات کسی سے مت کرنا،، نا

باسط یا کسی اور سے چاہے وہ تمھارا کتنا ہی بھروسے مند ہو،،

ہاں زاہد کو ضرور بتانا پر اسے سختی سے منع کرنا کہ یے بات وہ خود تک ہی رکھے،، عماد نے

یے خود کہا ہے اور اب ریحا آنٹی کی بھی کچھ حالت،،

اچانک ساد کے وائرلیس پر کچھ مسج آیا تھا،،

جو کہ زاہد کا تھا،،

آریا کو جیسے ہی زاہد کھانا دینے آیا تھا،، آریا نے اس سے ایک سوال کیا تھا،

تم عرفان کو جانتے ہو،،، آواز ہلکی سی مگر مضبوط تھی،

زاہد چونکہ،

وہ میرا بھائی ہے، اس نے حیرت سے آریا کو دیکھا تھا،، وہ کھانا رکھنے کہ لیے نیچے جیسے ہی جھکا تھا،،

آریا نے اس پے جھپٹی اور اسے گرا کر باہر بھاگی،،

وہ جیسے ہی باہر نکلی تھی، کہ پیچھے سے زاہد نے وائرلیس پے ساد کو انفارم کیا تھا،،

کچھ دیر پہلے

شام کی ٹھنڈک ہر انسان کو اندر سے ہلا رہی تھی،،

زاہد کچھ سوچتے ہوئے ایک کمبل اور شال اٹھا کے اس کمرے کی طرف بڑھا تھا، جہاں آریا قید تھی،

دروازا کھلا تو اس نے سامنے دیکھا، جہاں وہ ہر بار کی طرح، آج بھی گھٹنوں میں سر دیے بیٹھی تھی،

اس کا جسم سارا کانپ رہا تھا،

آریا نے جیسے ہی دروازے کی آواز سنی وہ تڑپ کر رہ گئی، اس کا دل زور سے دھڑکنے لگا تھا ،(وہ کتنی بھی مظبوط تھی مگر ابھی بھی وہ چھوٹی تھی، ابھی بھی وہ ایک 19 سال کی بچی تھی،،)

دیکھو میں نے کچھ نہیں کیا۔۔وہ گھبراتے ہوئے بولی۔۔

مگر سامنے زاہد کے ہاتھوں میں کمبل اور شال دیکھ کر پھر سے گھٹنوں میں سر دے کہ بیٹھ گئی،

مجھے نہیں پتا کہ تمہیں جو سزا مل رہی ہے، وہ جرم تم نے کیا ہے یا نہیں، زاہد نے اس کے حالات کو دیکھتے ہوئے بولا،

ترس آرہا ہے مجھ پر،، آریا غصے سے بولی تھی،

اگر ہاں تو میرے سینے میں خنجر گھونپ دو، کیونکہ میں مرنا پسند کروں گی، مگر ترس نہیں، نہیں، پر جب میں تجھے ٹورچر کرتا ہوں، تو مجھے بھی برا لگتا ہے،، لیکن میرا کام یہی ہے، میں کچھ نہیں کر سکتا، مجھے یہ بھی پتا ہے کہ یہ کمرا بھی تمھارے لیے ایک ٹورچر سے کم نہیں، پر یہ لو، آج رات سو جانا، پر اگر میری بات سنی، تو آج آزاد ہو جاؤ گی،

میں کچھ دیر بعد آئوں گا کھانا لے کر، زاہد کو آریا نے دیکھا تھا، اس کی آنکھوں میں سچ تھا،، پر وہ اس پر یقین بھی نہیں کر سکتی تھی،

اتنی حیرت سے مت دیکھو مجھے پتا ہے کہ تم یقین نہیں کرو گی،، میری ایک بہن تھی، وہ 20 سال کی تھی، بلکل تمھاری طرح تھی، وہ ہماری لاڈلی اکلوتی بہن تھی، مگر کچھ گنڈوں نے اس کے ساتھ بد سلوکی کی اور پھر مار دیا،،

میں تمہیں بھی اپنی بہن کی طرح دیکھتا ہو،

پر مجھے اگر پھر سے ٹورچر و آلہ کام ملا تو میں شاید پھر سے تمہیں تکلیف دوں، اس سے پہلے تم یہاں سے بھاگ جانا، جب میں کھانا لے کر آئوں گا نا تو دروازا کھلا ہو گا، تو تم مجھے گرا کر بھاگ جانا، میں دروازے سے گارڈ کو ہٹا دونگا، پر میں ساد کو انفارم کروں گا اس سے پہلے تمہیں بھاگ جانا ہو گا،، اگر ساد آ گیا تو میں کچھ نہیں کر پاؤ گا،

وہ کہتا چلا گیا تھا

"موجودہ وقت"

وہ بھاگا باہر،

زاہد جیسے ہی باہر نکلا تھا، تو سامنے ہی آریا کھڑی تھی،،، بھاگ جاؤ، اس گلی سے، وہ ایک گلی کی طرف اشارہ کیا،، رات کی سیاہی پھیل چکی تھی،

مگر آج آریا کی زندگی میں بھی سیاہی آنے والی تھی،

اسی وقت ساد بھی آگیا تھا،،

آریا کنفیوز ہو گئی تھی، کیونکہ وہ جگہ بلکل بدل چکی تھی،،

آریا تم یہاں سے بھاگ نہیں سکتی، ساد نے چلا کر کہا تھا،،۔۔آریا کا دل دھڑک اٹھا تھا۔۔اور آریا نے جو آٹھ مہینے پہلے جو خواب دیکھا تھا۔۔آج وہ سچ ہونے والا تھا۔۔

ساد میرا یقین کرو، میں بے گناہ ہوں،، اس نے التجا کی تھی،،

زاہد اس کے قریب جیسے ہی گیا تھا،، آریا نے اس کے ہاتھ سے پکڑ کر گرا دیا تھا،،

مگر زاہد جلدی سے اٹھا تھا،

،،اور وہ اس کے سامنے کھڑا کو گیا تھا، میں نے کہا تھا، جلدی سے بھاگ جانا،،اب کچھ نہیں ہو سکتا،

زاہد نے آریا پر حملہ کر دیا تھا،، مگر آریا اس کے حملے سے بچتی اسے پیچھے دھکا دیا تھا، آریا لنگڑاتے آگے بڑھی تھی،، ساد نے اسے جیسے ہی پکڑا تھا، ساد کو پیچھے دھکا دیا تھا آریا نے،،

مگر ساد کے غصے کو تو جیسے پر لگ گئے ہوں،

وہ بغیر کچھ سوچے اس کے پاس گیا اور غصے سے پکڑا اور ایک تھپڑ لگانے کی کوشش کی،، مگر سامنے بھی آریا تھی اس کی بہن،، اس نے ہاتھ روک کر پیچھے دھکا دیا، اور ساد جا کے زمین پر گرا تھا۔۔

ساد جلدی سے اٹھا اور آریا کو پکڑا،، ہیر بھی وہاں آ چکی تھی،،

بھائی میں نے کچھ،، آریا کے الفاظ ادھورے رہ گئے تھے، اور اس کے جسم میں درد کے لہر دوڑ گئی، اور آریا نے ساد کی طرف بے یقینی سے دیکھا،،

اس نے پھر نیچے اپنے پیٹ کی طرف دیکھا، جہاں خون اب تیزی سے بہنے لگا تھا،

آریا کی آنکھو سے آنسو نکلے،، پر وہ رو نہ سکی، وہ آخر تک ساد کی طرف دیکھتی رہی،

اور پھر اس کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھانے لگا تھا،

ساد کی پکڑ سے وہ چھوٹتی گئی، اور وہ زمین پر جا گری،، زاہد بھی چونک گیا، ہے کیا

ہو گیا،، شٹ کیا کر دیا،، وہ ان کی طرف بھاگا،

آریاااا،، ہیر چلاتے ہوئے آریا کی طرف بھاگی،،

آریا نے جو آخری چہرا دیکھا، وہ ہیر کا تھا،

جو روتے ہوئے اس کے پاس آئی تھی،،،

آریا آریا اٹھو آریا،،، نہیں نہیں آریا..... آریا،، ہیر چلا کہ اسے اٹھانے کی کوشش کر رہی

تھی،

آریا کی آہستہ آہستہ آنکھیں بند ہونے لگی تھی،

ساد حیرت سے اپنے ہاتھوں کو دیکھ رہا تھا جو کہ آریا کے خون سرخ ہو چکے تھے،،،

وہ جب ہوش میں آیا تو آریا کی طرف بڑھا،،،

نہیں نہیں، یے کیا کر دیا، آریا آریا،،

وہ رونے لگ پڑا تھا،،

وہ آریا کو اٹھانے لگا تھا، مگر اس کی طاقت جواب دے گئی تھی،

زاہد نے ساد کو پیچھے دھکا دیا اور اسے گود میں اٹھائے ہوسپٹل کی طرف بھاگا تھا،،

ساد مجھے تم سے یے امید نہیں تھی تم سچ میں ایک ظالم بن چکے ہو، ہیر روتے ہوئے آریا کی طرف بھاگی تھی،،

اور ساد روتے ہوئے وہیں بیٹھ گیا تھا

یے میں نے کیا کر دیا، اپنے ہی ہاتھ اپنی بہن کے خون سے رنگ کر،، وہ دھاڑیں مار کے رونے لگا تھا

آج ہاتھ اٹھا ہے، کل ہتھیار اٹھیں گے،،

ساد کے کانوں میں آریا کی آواز گونجی،

آج وآریا کی نظروں میں مجرم بن چکا تھا،

اس ویران گلی میں صرف ساد کے رونے کی آواز گونج رہی تھی،،

رات کی سیاہی پھیل چکی تھی، اور جنگل کے پیڑوں کی آواز اور نہر کے گیت ابھی جاری تھے، مگر ساد وہاں تنہا تھا، اپنے فیصلوں کی وجہ سے،

پانچ دن بعد،

ساد ایک درخت کے سامنے بیٹھا تھا،تب وہاں ہیر آئی تھی،اس رات کے بعد وہ ساد سے نہیں ملی تھی،

کیا کر رہے ہو یہاں ساد،ہیر نے تھوڑے سخت لہجے میں کہا،

کچھ بھی نہیں، کیا کروں گا،اپنی بہن کو مار کر کونسی خوشی منائوں گا،چاہے وہ مجرم ہو،پر میں میں ہوش کیوں کھو بیٹھا،،

ایک وقت تھا،جب میں وعدے کرتا پھر رہا تھا،،حفاظت کے،اور آج خود اسے مار رہا ہوں خنجر،

میں اچھا بھائی نہیں بن پایا،

اس کا سر پھٹا جا رہا تھا،،وہ راتوں کو سو بھی نہیں پاتا تھا،،

آریا کی طبیعت دن بہ دن خراب ہوتی جا رہی تھی،،اور اوپر سے وہ ہوش میں بھی نہیں آ رہی تھی،

میں سمجھ سکتی ہوں، تمھاری کیفیت پر، مجھے یہ بتاؤ کہ تمہیں کس نے کہا تھا کہ ،ابو اور امی پر حملہ آریا نے کیا،،ہیر نے تشویشی نظر سے دیکھتے پوچھا،

ساد چپ بیٹھا رہا،

میں کچھ پوچھ رہیں ہوں، وہ غصے سے بولی

مجھے باسط نے کہا تھا، وہ جھوٹ نہیں بولتا،

ساد ہلکہ سا چلایہ تھا،

اچھا تو پھر آریا جھوٹ بول رہی تھی،،

ہیر نے غصے سے ساد کو دیکھا۔۔اور لب بھینچ کے بولی۔

ہاں وہ بول سکتی ہے، کیونکہ بیہوش ہونے سے پہلے بھی ابو نے آریا کا نام لیا تھا،

ساد اب غصے میں آ گیا تھا،

اور میں نے خود وہاں سے بھاگتے دیکھا تھا،

ہیر نے حیرت سے ساد کو دیکھا،

کیا ساد کی بات سچ تھی؟،، کیا وہ آریا ہی تھی،؟

وہ اس کرسی پر بیٹھی سیب ہاتھ میں لیے کھا رہی تھی،اس کے سامنے اورینج اور امرود پڑے تھے،،

کیا بات ہے سارا، تم نے تو کمال کر دیا،،

نواز سامنے بیٹھی لڑکی کی طرف جاتے ہوئے بولا،،

اب مان گئے نا، میں وہ کر سکتی جو تم نہیں کر پائے اتنے ٹائم سے، وہ لڑکی اپنی ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر مسکرا بولی،

سارا وائٹ ٹی شرٹ پر کالے کلر کا کوٹ اور کالے کلر کا ہی ٹراؤزر میں ملبوس تھی، کالے سیاہ بال ہلکے سے بندھے ہوئے تھے،

بلکل تین لوگ تواب بے حال ہیں،اب بس ایک ہے وہ سادوہ میرے بائے ہاتھ کا کھیل ہے بس اب تین دن،

نئے سال کے موقع پر وہ شہر ہمارہ ہو گا،

سارا بلکل آریا کی طرح تھی،وہ اگر ماسک پہن لے تو وہ ہو بہ ہو،آریا دیکھتی ہے،بس فرق ہے تو چہرے کا،آواز بھی ہلکی پھلکی آریا کی طرح ہے،۔مگر اس کے قد آور آریا کی قد میں فرق ہے۔۔

تم اس لڑکی سے اتنا کیوں ڈرتے ہو؟سارا حیرت سے نواز کو دیکھا تھا۔۔

وہ خطرناک ہے۔۔اگر اس کا بھائی اور ماں باپ ملا کو تو ان سب کی طاقت سے بنتی ہے آریا۔۔

نواز نے آریا کو سراہا۔۔۔

تو جانے من آگے کا کیا پلان ہے،

نواز نے سارا کو اپنے قریبی کر لیا تھا،،

اور اس کے ہونٹ پر اپنے ہونٹ رکھ دیے تھے،

وہ اپنے رومانس سے تب نکلے، جب دروازا کھولنے کی آواز آئی، وہ آخری اس کے ہونٹوں پے کس کرتے دروازا کھولنے چلا گیا،،

دیکھا تو باہر ایک اس کا ملازم کھڑا تھا،،

نواز سراب اس عورت کا کیا کرنا ہے،

وہ آدمی ایک عورت کی طرف اشارہ کرتے بولا،

جو سامنے والے کمرے میں بند تھی،

اسے چھوڑو اس کی سزا میں تہہ کروں گی،

سارا اٹھتے بولی، اس کے چہرے پر ایک مسکراہٹ تھی جس سے پتا لگ رہا تھا کہ وہ اس عورت کو بھی اب ختم کرنے والی ہے،،

وہ اپنی چال میں چلتی اس عورت کی طرف گئی۔۔

جو ڈری سہمی بیٹھی رو رہی تھی،

تو مس راج (ریمشہ)، اب تمھارے ساتھ کیا کیا جائے،

مجھے لگتا ہے تمہیں بھی اسی کی طرح مار دوں،

وہ ایک عورت کی طرف اشارہ کر کے بولی.. جس کو اس نے کچھ دیر پہلے ہی بے رحمی سے مارا تھا، جس کی انگلیاں اس کے ہاتھ سے غائب تھی،

نہیں نہیں تمہیں اس جیسی موت دینی چاہیے، وہ اس آدمی کی طرح اشارہ کر کے بولی جس کا سر اس کے تن سے الگ تھا،

اگر مرنا نہیں چاہتی، تو بتا، وہ سارے ہتھیار کہاں ہیں، وہ تمھارے شوہر نے جو وہ پرانی دنیا کے ہتھیار ڈھونڈے وہ کہاں ہیں، وہ اپنے مغرور لہجے میں اس کو ڈراتے ہوئے بولی۔۔ چہرے پر کوئی تاثر نہیں تھے۔۔

مس راج (ریمشہ) اٹھی، اس کے چہرے پر ایک غصہ اور درد صاف جھلک رہا تھا،،

میں نہیں بتاؤں گی، چاہے مجھے مار دو،،

چاہے میرے جسم کے سو ٹکڑے کر دو، میں نہیں بتاؤ گی، کہ وہ ہتھیار کہاں ہیں۔ وہ گاڑیاں کہاں ہیں اور وہ ٹیکنولوجی کہاں ہے۔ جو اس دنیا کو پھر سے اُس دنیا جیسا بنا سکتی ہے،،

ہاں اگر میں نے کبھی بتایا بھی نہ تو، وہ تمھاری موت کے چند سیکنڈز پہلے بتاؤ گی،، مس راج نے طنزیہ مسکراتے ہوئے اسے کہا تھا۔

سارا نے غصے میں ایک چاقو نکالا تھا،

مجھے مار دو گی،، تو مار دو، میں تم جیسی گھٹیا لڑکی سے نہیں ڈرتی،

پر سارا کا غصہ آسمان پر تھا،

اور اس نے غصے میں۔۔ وہ چاکو مس راج کی طرف کیا،

اور وہاں ایک چیخ گونجی،

وہ پانچ دن سے بھٹک رہے تھے، عرفان نے کچھ بچے کچے ڈرم پیٹرول سے بھرے ہوئے تھے،، جس کی وجہ سے جیپ ابھی تک ان کا ساتھ دے رہی تھی،

آخر تھک کر عادل نے عرفان سے پوچھا،

تم ڈھونڈ کسے رہے ہو،، ہمیں تو بتاؤ، شاید ہم ہی کچھ مدد کر دیں، عادل بیزاری سے بولا

وہ سب تھکن سے چور ہو چکے تھے،

کیا مطلب تم بھٹکتے مسافر کیا جانتے ہو گے،،

عرفان نے اسے دیکھ کے طنزیہ بولا،

نام کیا ہے اس کا جسے تم ڈھونڈ رہے ہو،

عادل نے پھر سے صاف لفظوں میں اس سے پوچھا،

اگر تمہیں جاننا ہے نا تو سنو، اس کا نام الظاہر ہے، وہ کمینا پہلے میری بہن کو مار چکا ہے، اب میرے دوست راج کو مار دیا۔ اور اب راج کی بیوی مس راج کو بھی کیڈنیپ کر لیا ہے، اب بتاؤ، تم اسے جانتے ہو،

اس نے اپنے سینے پے ہاتھ باندھے پھر اس کے سامنے کھڑے ہو کے بولا، عرفان بلکل اس کے سامنے کھڑا تھا،

ہاں اس کے ساتھ تو میرا پرانہ رشتہ ہے، اگر پہلے بتاتے تو اتنے دن بھٹکنا نا پڑتا، وہ اپنا ڈائیلاگ مار اکر جیپ کی طرف بڑھا۔۔

اب چلو اس کا اڈا دیکھاتا ہوں، مگر یے بات بھی ذہن میں رہے، اس کا ایک اڈا نہیں ہے،، اس کے پاس کئی اڈے ہیں، ابھی بات دماغ میں بیٹھی؟

سب نے ہاں میں سر ہلایا،

اور وہ سب جیپ میں بیٹھ گئے، جبکہ آج ڈرائیونگ سیٹ پر عادل تھا،

اتنے دن سے گونگے ہو گئے تھے کیا تم؟،،

عرفان نے غصے سے دیکھتے اسے بولا تھا،

مجھے کیا پتا کہ "وہ کمینہ ہر طرف اپنا جال پھیلائے بیٹھا ہے"،اس نے جیپ کو آگے بڑھاتے ہوئے بولا،

کچھ گھنٹوں بعد وہ ایک ویران جگہ پے پہنچ چکے تھے،

آس پاس بلکل سناٹا، گری دیواریں اور کچرے کا ڈھیر،

وہاں سے جیپ نکلی تو آگے پتھر گرے پڑے تھے، مگر گاڑی کے آگے جانے کا راستہ صاف تھا،،

وہ آگے بڑھے،اور اپنے جیپ کو ایک جگہ روکا،

تم دونوں یہی روکو گے، ٹھیک ہے،"وہ زوہیب کو تلوار تھما کر اندر کی طرف بڑھ گئے "

اب مجھے تو یے چلانی بھی نہیں آتی۔۔زوہیب تلوار کو منہ گندا کر کے دیکھنے لگا

کچھ دیر بعد

وہ واپس آئے،ان کے ہاتھ میں کھانا تھا،

یے جگہ خالی ہے کوئی بھی نہیں ہے یہاں،

وہ ان دونوں کے قریب آئے،

وہ سب کھانا زوہیب کو دیا۔ جس نے جیپ میں وہ سارا کھانا رکھا،،

کچھ فروٹ بھی وہ لے کر آئے تھے۔۔

عرفان نے زوہیب کو دیا تھا جب کے انوشہ کو عادل دینے آیا تھا

عادل کو اچانک کچھ غلط ہونے کا اندیشہ ہوا،

انوشہ جھکو، وہ اس کو پکڑ کے نیچے گرا تھا، اور وہی سے ایک تیر آ سیدھا جیپ کو لگا تھا،،

وہ سب چھپ گئے جیپ کے پیچھے،،

آئو چھ ! بتا نہیں سکتے تھے،، انوشہ غصے سے عادل کو دیکھتے بولی، اس کے ہاتھ میں زرا سی کھرونچ آئی تھی، اس کا دل خوف سے دھڑکنے لگا تھا،

اگر بتاتا تو وہ تیر یہاں سے گھس کے یہاں آگے سے نکلتا، اور تم، اللہ کے پاس پہنچ جاتی،،

عادل نے انوشہ کے پشت پر انگلی رکھ کر پھر اگے پیٹ پر رکھی تھی،

ہتھ ہٹاؤ۔۔ بد تمیز۔۔ انوشہ اس کے ہاتھ جھٹکتے ہوئے بولی۔۔ عادل نے مسکرا کر کندھے اچکائے۔۔

بھلائی کا تو زمانا ہی نہیں رہا۔۔

سالے آریا کی جیپ کو کچھ بھی ہوا نہ۔۔، تم کو کتا بنا کر دوڑاؤں گا، لومڑی کی طرح بنا دوں گا، اور ساتھ میں صاف بھی کروائوں گا جیپ، عرفان غصے سے چلایا تھا،

عرفان مجھے تم سے کچھ پوچھنا ہے،، عادل تھوڑا زور سے بولا ہے،،

پہلے یہاں سے زندہ نکل جائیں پھر، جو پوچھنا ہے پوچھ لینا، عرفان نے عادل کو گھورا،،

کچھ ہی دیر بعد وہ تیر چلنا بند ہو چکے تھے،،

میں تین تک گنوں گا، پھر ساتھ ہی اٹھیں گے،،

ایک، دو، تین، اٹھو،

عادل اور عرفان اٹھے تھے، مگر عادل دیکھ کے شاکڈ ہوا، سامنے اختر کھڑا تھا،،

باس تم؟۔ اختر اپنے آدمیوں کو روکتے ہوئے حیرت سے بولا تھا،

کیا؟ یے تمہیں جانتا ہے۔۔ تو ہمیں کیوں مار رہے تھے۔۔

عرفان حیرانگی سے ان کو دیکھنے لگا

ہاں اتنا ہینڈسم لڑکا جو کہ تمہارا باس ہے وہ کھڑا نظر نہیں آرہا، عادل سر سے لے کر پائوں تک اختر کو دیکھاتے پنے بال سیٹ کیے،،

کچھ زیادہ نہیں ہو گیا؟ انوشہ نہ منہ بگاڑا،

معاف کرنا، باس، ہمیں لگا کوئی اور ہے،

اختر نے معافی مانگی،

ابھی تمھاری وجہ سے میں ماری جاتی،،

انوشہ نے بھی حصہ لیہ،

اختر حیرت سے انوشہ کو دیکھا،

بھابھی جی سوری غلطی ہو گئی،،اختر اسے عادل کی سائڈ میں دیکھ کے بولا۔

کون بھابھی؟،، میں تمھاری بھابھی کیسے بن گئی؟،،

انوشہ حیرت اور غصے سے بولی،،

اختر الجھن سے،،

آپ عادل سر کی بیوی،،

توبہ توبہ اللہ نا کرے،اور تو بکواس بند کر میری ابھی شادی نہیں،وہ کانوں کو ہاتھ لگا کے بولی،

انوشہ تو بلکل لال ہو گئی تھی،غصے میں،

ہاں اس کی ابھی شادی نہیں ہوئی، کبھی بھی ہو سکتی ہے مگر ابھی نہیں ہوئی توبہ،

عادل اپنی کانوں کو ہاتھ لگا کے مسکراہٹ چھپاتے بولا،،

اختر الظاہر نے کسی عورت کو پکڑا ہے کیا، کسی قبیلے کے سردار کی بیوی کو،،

عادل سنجیدہ ہوا اور اپنے موضوع کے مطابق پوچھا،

ہاں باس، وہ تو اس سائڈ جنگل کے قریب والے اڈے پے ہے،،

صرف وہی عورت نہیں تھی اور بھی کافی تھیں،، آج صبح ان کو مار دیا گیا،، اور آج شام تک شاید اسے بھی مار دیں گے،،

ٹھیک ہے اختر ابھی میں چلتا ہوں، گڈ لک، پھر ملیں گے بوائز۔۔ اور اختر وہ لڑکی کیسی ہے ؟۔۔

عادل نے کسی لڑکی کے بارے میں پوچھا۔۔

ہاں باس وہ بلکل ٹھیک ہے۔۔ بس آپ کے حکم کا انتظار ہے۔۔۔ ہم نہر وان جا رہے ہیں ۔۔ کل اسے وہیں کے کر آنا۔۔

ٹھیک ہے باس۔۔ اختر نے سر ہاں میں ہلایہ۔۔

او کے بائے بوائز۔۔، عادل اختر کے ساتھ سب بوائز کو الوید اکرتے وہاں سے جیپ دوڑاتا چلا گیا تھا،

جیپ اس ویران جگہ کو پیچھے چھوڑتی، آگے جنگل کی طرف تیزی سے بڑھ رہی تھی،،

مجھے یہ بتاؤ کہ، تمھاری آریا تم سے دور کیوں یا کہاں ہے ہم تو جب سے تمھارے ساتھ ہیں اسے دیکھا تک نہیں، اور یہ جیپ اس کی کیسے ہوئی،

عادل کے اس سوال پر عرفان کا دل زور سے دھڑکا،

ہاں عرفان بتاؤ۔۔۔

سب ہی اس کے جواب کے منتظر تھے،

اب بولو بھی کیا تاریک باندھیں کیا، یا کسی خاص موہرت کا انتظار کر رہے ہو۔۔

عادل چڑھ کر بولا تھا،

میں نے اسے دھوکا دیا تھا،، کیونکہ میرے بھائی کو اس نے مارا تھا،، میرے بھائی نے اس کے ساتھ بدتمیزی کرنے کی کوشش کی تھی، تب مجھے معلوم نہیں تھا، اور میں اس کے ساتھ دھوکہ کر بیٹھا،

وہ رات ابھی بھی مجھے رات یاد ہے، جب وہ روتے ہوئے اس گھر سے نکلی تھی،،

اس نے کہا تھا مجھ سے، کہ اگر میں نے اسے دھوکہ دیا تو، وہ ٹوٹ جائے گی،، اور وہ سچ میں ٹوٹ گئی تھی،،

عرفان چپ ہو گیا تھا،، مگر آنکھوں کی نمی صاف کی تھی،

عادل اسے گھورتے ہوئے،

اگر وہ اتنی ہی ٹوٹی ہوئی تھی، تو یہ جیپ کہاں سے لائی،، عرفان جو حیران ہوا اس سوال پر

جبکہ انوشہ اور زوہیب ہنسے تھے،

اس نے یہ جیپ اپنی محنت سے کمائی تھی،،

ہم لوگوں کو بچاتے تھے،، اور اس کے بدلے کچھ چیزیں لیتے تھے،،

وہ میری پاٹنر تھی،، وہ لڑنے میں اچھی تھی،

ہم نہ جب راج کی بیوی (مس راج) کو بچایہ تو راج نے ہمیں یہ جیپ کا تحفہ دیا تھا، ہم

پورے ایک مہینے تک شام صبح اس کو سیکھنے میں لگے رہتے، یعنی میں وہ تو کچھ ہی دنوں میں

سیکھ گئی تھی،، وہیں ہماری دوستی راج سے ہوئی،،

جیپ ملنے پر آریا بہت خوش تھی،

اچھا ٹھیک ہے یے اپنی کہانی پھر کبھی سنانا،

ہم منزل کے قریب ہیں،،

لگتا ہے تمہیں زوروالہ عشق ہو گیا ہے،

عادل عرفان کو دیکھتے بولا،،

خود کو دیکھا ہے کبھی،، تم بھی تو عاشق بن کے گھوم رہے ہو،، عرفان نے بھی بدلہ لیا،۔۔

ہاں چھوڑو اس کو۔۔عادل گھبرا کر بولا۔۔

وہ ایک عالیشان عمارت کے سامنے رکے تھے ,

عرفان زوہیب اور انوشہ والوں کا تو منہ ہی کھل گیا تھا، مطلب اس بکھری دنیا میں اتنی اچھی جگہ۔

ان لوگوں نے اپنی جیپ جھاڑیوں میں چھپائی،

اور آگے کو بڑھ گئے،اس بار زوہیب اور انوشہ بھی ساتھ تھے ان کے،

جنگل کی آواز اب تیز ہونے لگی تھی،

ہوا کی وجہ سے، درختوں کی ٹہنیاں ہلکی ہلکی جھوم رہی تھی، جن پے پرندے اپنی زندگی گزار رہے تھے،

کمرے کی فضا میں دوا کی مہک اور مشینوں کی بیپ بیپ گونج رہی تھی۔

اس کمرے کے ایک بیڈ پر حیدر لیٹا تھا،

اس نے ہلکا سہ ہاتھ ہلایا تھا،،

اس کے سائیڈ میں ریحا کا بیڈ تھا جو ابھی پر سکون نیند میں تھی،

عماد نے مشین کی طرف دیکھا، اب اس کی دھڑکنیں بلکل سہی تھی، اور بی پی بھی سہی بتا رہی تھی وہ مشین، مگر ابھی تک یے بات کسی کو پتا نہیں تھی، کہ حیدر اور ریحا دونوں ٹھیک ہو گئے ہیں،،

اس کمرے میں آنے کی صرف عماد اور سادہیر کو اجازت تھی،

سردار کیسا محسوس ہو رہا ہے اب، عماد اس کو دیکھتے ہوئے بولا،

حیدر نے کچھ بولا نہیں، بس ہاں میں سر ہلایہ،

فکر نا کریں سردار آپ سب بلکل ٹھیک ہیں، دو دنوں میں آپ نئے سال کے پروگرام میں بھی شامل ہو سکتے ہیں، جو اس شہر کی انتظامیہ نے رکھا ہے،

عماد حیدر کو بتاتے ہوئے مسکریا،

حیدر نے بیٹھنے کی کوشش کی تھی،

عماد نے بھی اسے سہارہ دے کہ اٹھایا تھا،

سردار صاحب آپ کو سر پے چوٹ آئی تھی،،

مگر میں حیران ہوں کہ آپ اتنا جلدی ٹھیک ہو گئے،، آپ سے زیادہ ریحا میڈم کو چوٹ آئی تھی، مگر وہ آپ سے پہلے ٹھیک ہو گئی، آپ دونوں بھی کمال ہو،

عماد نے مسکرا کر کہا تھا،،

حیدر بھی مسکرایا، مگر اگلے لمحے اس کی نظریں بے ساختہ سامنے بیڈ پر لیٹی ایک لڑکی پر جا ٹھہریں۔"

عماد۔وہ کون ہے؟

حیدر نے سامنے والی لڑکی کی طرف انگلی کا اشارہ کر کے بولا تھا،اس کا وجود صرف حیدر دیکھ سکتا تھا۔۔ مگر چہرا اوجھل تھا

سردار وہ زخمی آئی تھی یہاں، نام تو یاد نہیں، پر زاہد لے آیا تھا،

سردار بازو آگے کرنا، عماد نے بتاتے ہوئے ایک انجیکشن بھری تھی،

نام کیا ہے اس کا، تم نے نام تو لیکھا ہو گا نہ،

حیدر اپنا بازو سامنے کرتے بولا تھا،

ہاں سردار میں لے کر آتا ہوں، ہیر باجی نے بتایا تھا، وہ انجیکشن لگا کر رجسٹر لے نے چلا گیا تھا،

پھر وہ رجسٹر لے آیا تھا، اور اس کے پنے الٹنے لگا تھا،

سردار اس کا نام ہے، ہمم، ہاں مل گیا، سر وہ قیدی ہے، نام ہے آریا، عماد نے رجسٹر پر دیکھتے ہوئے کہا،

کیا آریا؟ حیدر حیران ہوا،،

ہاں سردار وہ آریا ہے، عماد نے یقین دلایا،

اسے کیا ہوا اور کیسی طبعیت ہے ابھی اس کی،

کمزوری کی وجہ سے وہ ہوش میں نہیں آرہی، آج شام تک شاید آجائے، ورنہ اس کی حالت نازک ہے اور زندگی اور موت کے بیچ میں جھول سکتی ہے، عماد نے اسے اور فکر میں ڈال دیا تھا،،

حیدر اٹھا تھا، مگر کمزوری کی وجہ سے اس کا سر چکرانے لگا تھا۔ سردار آپ کہاں جارہیں ہیں، آپ ابھی ٹھیک،

ہٹ جائو میرے راستے سے،

عماد نے اسے روکنا چاہا، مگر حیدر نے اسے غصے سے ہٹنے کا اشارہ کیا تھا، اور آہستہ آہستہ آریا کے پاس گیا تھا،

آریا بیٹا یے کیا ہو گیا، اس کی آواز لرز گئی تھی، اور آنکھوں میں اداسی جھلک رہی تھی، اور حیدر نے اس کے پیشانی پر ایک بوسہ دیا تھا،، اور اس کے سر کو سہلانے لگا تھا، میری بچی،

عماد بھی اس کے قریب خاموشی سے کھڑا ہو گیا تھا، وہ حیران تھا، کہ سردار ایک قیدی کہ لیے اتنا پریشان کیوں ہے،

سر آپ اسے جانتے ہیں، پر مجھے تو بتایا گیا ہے، کہ یے مجرم ہے اور یہاں کی قیدی ہے، اس لیے میں نے خاص دوایاں نہیں،

کیا؟ تم نے اس کا علاج سہی نہیں کیا، یے میری بیٹی ہے سمجھے، ابھی سے اس کا علاج اچھے سے اچھا کرو، نہیں تو تمھارا اور جو اس کو قیدی بنا کے لائے تھے، ان کا سر کاٹ کر دروازے پر ٹانگ دونگا،

عماد بول رہا تھا، تب حیدر اس کی بات کاٹ کر غصے سے چلایا تھا،

سر معذرت خواہ ہوں پر مجھے نہیں تھا پتا اور مجھے منع کیا گیا تھا، اسپیشل دوائی، مجھے تم سے یے امید نہیں تھی، کہ تم ایک مرتے انسان میں فرق

ابھی حیدر عماد سے بات کر ہی رہا تھا، تبھی آریا کی تکلیف بڑھنے لگی،اور اس کی آکسیجن لیول کم ہونے لگا،،اس کی سانسیں آہستہ آہستہ بند ہونے لگی،،

مونیٹر پر لکیریں آہستہ آہستہ حرکت کم کرنے لگیں

آریا کا وجود اس بیڈ پر مچلنے لگا تھا،

عماد نے جلدی سے نوذل آریا کے چہرے پر لگایا،اور اسے ایک انجیکشن لگائی، مگر آریا کی حالت وہی تھی،اور بگڑتی جا رہی تھی،

حیدر اس کا ہاتھ پکڑے پریشان کھڑا تھا،

میری گڑیا اٹھو دیکھو تمھارا بابا اب تمھارے ساتھ ہے،

اب تمہیں مجھ سے کوئی نہیں چھین سکتا،بس اپنی آنکھیں کھولو،

حیدر کی آنکھوں میں آنسو بہہ آئے تھے،اور چہرے پر بے بسی،

اس کمرے میں بس ایک مشینوں کی بیپ کی آواز اور دوسرا آریا کے بیڈ جو اس کے مچلنے پر چیخ رہا تھا،

عماد کا چہرا اس سردی میں بھی پسینے سے تر تھا،

آریا کی حالت اس کے ہاتھوں سے نکلتی جا رہی تھی،

بس تم لوگوں کا ہی انتظار تھا، سارا نے ان کو دیکھ کے کہا تھا، اس کے ساتھ اس کے گارڈ بھی کھڑے تھے،

عادل، (سر کھجاتے)

ہاں پہچان ہی ایسی بنائے ہے کہ لوگ ہمارا انتظار کرے، مگر ہمارے پاس اتنا ٹائم نہیں کہ تم سے بہث کریں،

سارا، (مسکرا کر)

ذرا ٹھہریں صبر تو کریں، ابھی تو آئے ہو۔۔ دعوت تو کھا کے جاؤ۔۔ مگر پہلے بتائو کہ تم کو چاہیے کیا؟،

عرفان (مس راج کی طرف اشارہ کرتے)

ہمیں بس وہ لڑکی چاہیے، بس پھر ہم خاموشی سے چلے جائیں گے، عرفان نے جب پہلی بار سارا کو دیکھا، تو اس لگا کہ آریا کھڑی ہے مگر جب چہرا اور آواز سنی تو وہ چونک گیا۔۔

سارا، (عرفان کو دیکھتے)

وہ نہیں دے سکتی، میرے لیے قیمتی ہے،

عادل (تھوڑا سا آگے آیا اور اس پے نظر جما کے بولا،)

قیمتی تو ہے۔ کیونکہ وہ انسان ہے۔۔

مگر میں تو کئی انسانوں کو موت کی نیند سُلا چکی ہوں۔۔۔ سارا نے عادل کی آنکھوں میں دیکھتے نڈر انداز میں بولی۔

موت سے مت کھیلو لڑکی، یے بہت برا نشہ ہے، اس میں ہارنا منع ہوتا ہے، اگر ہاری تو سانس دینی پڑے گی۔۔

عادل نے اس کی آنکھوں دیکھ کے بولا۔۔

سارا، (غصے سے)

اب مجھے کیا کرنا ہے یے مجھے تم سے نہیں سیکھنا،

اس نے سیدھا حملہ کیا تھا،

عادل(پر سکون پر چہرے پر سردی)

تبھی تو کہتے ہیں لڑکی کا دماغ گھٹنے میں ہوتا ہے،

کبھی نہیں خیال کرتی کے سامنے کون ہے۔

اور پھر سارا کا چاکو وآلہ ہاتھ روکا تھا عادل نے،،

اور چھلانگ لگا کر پیچھے والے کو لات لگا کر گرادیا تھا،

زوہیب انوشہ تم اسے نکال کر باہر جائو،

عرفان نے دو آدمیوں سنبھالتے ہوئے بولا تھا،

اور پھر ایک کی ٹانگ پر کک ماری تھی،اور دوسرے کو زور سے دیوار پے مارا تھا،اور وہ بیہوش ہو گیا تھا،

اور دوسرے کو زور سے گھٹنا مارا تھا،چہرے پر،

عادل نے سارا کو زور سے دھکا دے کر دوسرے آدمی کو سنبھالا تھا،اور اس کے سینے میں خنجر مار دیا تھا،

اور پھر سر سے پکڑ کر اس کا سر موڑ دیا تھا،

اور وہ آدمی ڈھے گیا تھا،

تب تک وہ دونوں مس راج کو باہر لے گئے تھے، مگر سارا نے ان کا پیچھا کیا تھا

باقی بچے دو آدمی، عادل نے چاکو اٹھایا اور پھینکا مگر اس کا نشانہ چونک گیا،

یار آریا ہوتی تو اس کو اپنی ماں یاد دلا دیتی۔

عرفان نے عادل سے کہا تھا

عادل ایک کے کندھے پر چڑھ کر اس کے سر کو پکڑا اور خود کو نیچے زور سے پھینکا اور اس

آدمی کا سر زمین پر لگا تھا، اور پھر اس کے سر کو موڑنے کی کوشش کی تھی۔۔ مگر پیچھے سے

آدمی نے اس کے پیٹھ پر زور سے ایک ڈنڈا مارا تھا، اور عادل وہی گر پڑا تھے،

اس آدمی نے دبارا مارنے کے لیے ڈنڈا اٹھایا، اور عادل کے سر پے دے مارا عادل کے سر

سے ہلکا سا خون بہنے لگا اور عادل کے سر میں درد کی لہر دوڑ گئی،

وہ ہٹا کٹا مسٹنڈا آدمی قد چھے فٹ، اس نے دوبارا وار کرنے کی کوشش کی، مگر عرفان نے

روک کر اس کے پیر پر وار کیا تھا، مگر اگلے پل عرفان کی گردن اس آدمی کے ہاتھ میں

تھی، اس آدمی نے عرفان کو ہوا میں اٹھا لیا تھا،

عرفان دم گھٹنے کے وجہ سے تڑپنے لگا تھا،

عادل اٹھا، وہ ہوش میں نہیں تھا، مگر پھر بھی لڑکھڑاتے اس نے ڈنڈا اٹھایا اور اس کے ٹانگ پے مارا تھا، جیسے ہی وہ آدمی نیچے گھٹنے کے بل گرا، عرفان خود کو چھڑانے میں کامیاب ہو گیا تھا۔۔

یے اس کا ہاتھ ہے یا ہاتھی کی سونڈھ۔۔

عرفان اپنا گلے پر ہاتھ پھیر کر سانس لیتے بولا تھا۔۔

عادل لڑکھڑاتے ہوئے آگے بڑھا اور اس پے وار کرنے کی کوشش کی مگر اس نے عادل کو گلے سے پکڑ کر دور پھینکا۔۔عادل سر پکڑ کر وہی بیٹھ گیا۔۔

عرفان بھاگتا آیا اور نیچے سے چاقو اٹھایا۔۔اور اس کو مارنے کی کوشش کرنے لگا مگر اس آدمی کا ارادہ تو عرفان کا گلہ گھونٹ کے مارنے کا تھا۔۔عرفان کو اس نے پھر سے گلے سے پکڑ کر اپنے سامنے کیا۔۔

تم کیڑوں کی یہی اوقات ہے۔۔تم مجھ۔۔وہ ابھی عرفان سے مخاطب تھا جو سانس گھٹنے کی وجہ سے اس کا چہرا لال پڑ گیا تھا۔۔جب پھر سے عادل نے اس کے پیر میں ایک سریا زور سے دے مارا۔۔اصر وہ گھٹنے کے بل بیٹھ گیا۔۔عرفان کے گلے کی تھوڑی پکڑ ڈھیلی

ہوئی تواس نے خنجر کو مظبوطی سے پکڑ کراس کے سر میں گھونپ دیا،اور نکال کر پھر سے

اس کے گردن میں مارا تھا،،

اور وہ آدمی نیچے جا گرا تھا،

اس کے ساتھ عادل بیٹھ گیا تھا،

اس کا سر خونم خون تھا،

پر عرفان نے آس پاس دیکھا،تواسے ایک کپڑا دیکھااس نے جلدی سے اس کے پر پٹی باندھی،

اوراس کو سہارادے کے باہر آیا،سارااانوشہ کو بندی بنائے کھڑی تھی،زوہیب مس راج کو پیچھے چھپائے کھڑا تھا،جو کہ ڈری ہوئی تھی،،سارانے عرفان اور عادل کو نہیں دیکھا تھا، کیونکہ وہ پیچھے کھڑے تھے،

سارا(غصے سے)

اچھاتو تم نہیں دوگے وہ لڑکی،

نہیں میں نہیں دونگا۔۔۔زوہیب اپنے فیصلے پر ڈیٹا رہا۔۔

عرفان آہستہ آہستہ اس کے قریب آیا۔۔

تو ٹھیک ہے میں خود اسے کے جائوں گی، تم دونوں کو مار کر۔۔

سارا نے جیسے ہی مارنے کی کوشش کی، پیچھے سے عرفان نے اسے بیہوش کر دیا تھا، سر پر پسٹل کی بیک مار کر جو کہ اس نے اندر سے اٹھائی تھی،

مگر پیچھے عادل چکر آنے کی وجہ سے جا کہ زمین پر گرا تھا،

عادل،،انوشہ نے جیسے ہی پیچھے پلٹ کر بچانے والے کو دیکھا، تو نظر بے ساختہ گرتے ہوئے عادل پر گئی، وہ بھاگی تھی،

عادل عادل، اللہ کتنا خون بہہ رہا ہے، اس کے سر پے جو کپڑا بندھا ہوا تھا وہ اتارا اور اس سے اچھے سے خون صاف کیا اور آپنا ڈوپٹہ عادل کے سر پر اچھے سے باندھا تھا، زوہیب اور عرفان بھی بھاگتے ہوئے آئے تھے، ساتھ مس راج بھی وہی آئی تھی،

عرفان نے اور زوہیب نے سہارا دے کر اسے جیپ میں بٹھایا،

تم ٹھیک ہو، ریمشہ (مس راج)، زوہیب نے مس راج کی حالت کو دیکھتے پوچھا تھا،،

ہاں میں ٹھیک ہوں، اس نے ہاں میں سر ہلایا تھا، مگر وہ نشے میں تھی، جو کہ اسے وہاں دیا گیا تھا سچ اگلوانے کہ لیے۔۔

انوشہ عادل کے پاس بیٹھ گئی تھی، جبکہ زوہیب عرفان کے ساتھ آگے بیٹھا تھا،

اور انوشہ کے ساتھ مس راج بھی بیٹھی تھی، مس راج کسی کو ڈھونڈ رہی تھی، مگر وہ وہاں اسے نظر نہیں آیا،

عرفان نے جیپ اسٹارٹ کی اور اس کا رخ نہروان شہر کی طرف کر دیا تھا،

پیچھے بس رہ گئی تھی، خاموشی، اور سارا کی چلتی سانسیں،

رات ہونے والی تھی، اور اب سورج بھی ڈوبنے لگا تھا،

جنگل کے سائے اب بڑھنے لگے تھے،

اور پرندے اپنے گھروں کی طرف جانے لگے تھے،

آدھے گھنٹے بعد

جیپ جنگل کے پیڑوں کو تیزی سے پیچھے چھوڑتی جا رہی تھی، کہیں سیدھا راستہ تو کہیں جیپ گھڑوں میں پھس پھس کے چل رہی تھی،

زوہیب میری بہن کہاں ہے، مس راج بولی تھی، اس وقت عادل بھی ہوش میں آ چکا تھا،

اسی کو ڈھونڈ رہا ہوں، وہ مجھ سے ناراض ہے،

عرفان آگے دیکھتے ہوئے بولا تھا،

ہمیں ایک نہیں ملتی، یے بندا دو دو کو ناراض کر کے بیٹھا ہے، ہائے قسمت، عادل حسرت سے بولا تھا، جس پے انوشہ نے عادل کو گھورا تھا، اور عرفان نے بھی اسے گھوری سے نوازہ تھا۔۔

کیا؟ عرفان یے کیا بول رہا ہے، مس راج نے حیرت سے عادل کو دیکھ کے عرفان سے پوچھا،

ہاں ہاں بتاؤ کے کیا گل کھلا رہے ہو آج کل، ایک کے ساتھ ایک فری۔۔ مطلب ایک کے ساتھ دوسری کو بھی دھوکہ۔۔ عادل نے بھی جلدی سے جواب مانگا،

کمینے انسان وہ آریا کے بارے میں پوچھ رہی ہے،

عرفان نے عادل کو غصے سے دیکھتے کہا،

کیا آریا آپ کی بہن ہے، مگر عرفان تم نے کہا کے وہ حیدر کی بیٹی ہے، میڈم آپ بڑی بیٹی ہیں حیدر کی،

عادل حیرت سے مس راج اور عرفان سے سوال کیا،

کیا؟ نہیں میں یادَوّرا جپوت کی بیٹی ہوں،اور آپ کس حیدر کے بارے میں بات کر رہیں ہیں، مس راج نے عادل کو دیکھتے ہوئے کہا،

عرفان تم ہی بتاؤ میرے دماغ کی تو دہی بن گئی ہے، پہلے یے چوٹ اب یے باتیں، عادل الجھن میں پڑ گیا تھا،اور ہار مان لی۔۔

ارے یے آریا کو بہن مانتی ہے، منہ بولی بہن،اب سمجھ آئی بیوقوف،، عرفان نے اپنا سر پیٹ لیہ تھا اس کی باتیں سن کر۔۔

ہاں آگئی سمجھ اب بکواس بند کرو،اور آگے دیکھو۔۔

مجھے ابھی زندگی جینی ہے۔۔عادل اس کو خود کی طرف دیکھتا پا کر بولا تھا۔۔زوہیب نے ایک سنجیدہ نظر عادل اور انوشہ پر ڈالی تھی۔

جیپ اب جنگل سے نکل کر کھلے میدان میں آئی تھی، سامنے بڑے پہاڑ جو کہ اپنی شان سے کھڑے تھے، وہاں گرتے نہر کا پانی ایک دھندلی چادر بنا کے رکھی تھی، جو ہرے بھرے پہاڑوں کو اور بھی خوبصورت بنا رہی تھی،

یار کیا نظارا ہے، زوہیب کا منہ تک کھل گیا تھا،، انوشہ کی بھی حالت کچھ ایسی تھی، مگر عادل عرفان اور مس راج خاموشی سے وہ نظارے دیکھ رہے تھے،

وہ نہر وان شہر کے قریب آئے، جہاں دو گارڈ نیچے کھڑے تھے، ان کے ہاتھ میں بھالے تھے، جب کے کمر میں میان بندھی تھی، جس میں تلواریں تھیں،

اوپر آٹھ لوگ تیر کمان لیے کھڑے تھے، جن کی نظر اب ان سب پر تھی کیونکہ وہ سب جیپ کو حیرانگی سے دیکھ رہے تھے،

وہ دونوں گارڈز نے ان کو روکا، کیا انٹری پاس ہے آپ لوگوں کے پاس؟، ایک گارڈ نے اس جیپ کو دیکھا،

پھر ان کو دیکھ کے کہا تھا،

زوہیب (حیرت سے عرفان کو دیکھ کے ان گارڈز کو دیکھا تھا،)

اب یے انٹری پاس کیا ہے؟۔۔زوہیب نے سوچا

ہاں میرے پاس ہے، عرفان نے جیپ سے ایک کارڈ اٹھا کے دیا تھا ان گارڈز کو،، ایک گارڈ نے اس کارڈ کو دیکھا، پھر دوسرے گارڈ کو اشارہ کیا تھا، دروازا کھولنے کا، اور وہ کارڈ لوٹا دیا تھا عرفان کو،

اوپر دیوار سے دو سپاہیوں نے ایک چکے کو گھمایا اور آہستہ آہستہ دروازا کے اوپر ایک لوہے کا فریم اوپر اٹھا،

جو کہ دونوں دروازوں کو مظبوطی سے جوڑ کے رکھتا ہے،اور پھر نیچے والے گارڈ نے دروازا کھولا تھا،

عرفان نے جیپ کو آگے بڑھایا،

اور وہ نہروان شہر میں داخل ہوئے، مگر اب کی بار سوائے مس راج کے سب حیران تھے شہر کی سادگی اور خوبصورتی سے، کیونکہ مس راج پہلے آچکی تھی، مگر ان چاروں میں سے کوئی نہیں آیا تھا،

جیپ کے انجن کی آواز سن کے سب لوگ جو باہر تھے۔۔ان کی طرف متوجہ ہوئے۔۔

ساد ایک جگہ ہیر اور زاہد کے ساتھ گپ شپ کر رہا تھا،

وہ تینوں بھی جیپ کی آواز سن کے وہیں آگئے تھے،

ارے میرے بھائی تم یہاں،،زاہد نے عرفان کو دیکھ کے بھاگتے ہوئے عرفان کے گلے لگ گیا تھا،

زاہد تم یہاں، عرفان اسے وہاں دیکھ کے حیران ہوا،

ارے تمھارا بھائی اس شہر کی فوج کا کیپٹن ہے، زاہد سینہ چوڑا کر کے بولا تھا،

کیا حال ہے دوست، ساد بھی گلے لگ گیا تھا،

مگر ساد کی نظر انوشہ پر پڑی تو وہ عرفان سے مسکرا کر،

تو عرفان یے ہے تمھاری "قاتل حسینہ "

انوشہ حیران ہوئی اس کے کہنے پر،اور عادل اور زوہیب انوشہ کو دیکھنے لگے تھے،

عرفان آنکھیں دیکھاتے،

ارے یار یے وہ نہیں ہے،، عرفان نے ساد کو اشارہ کرتے ہوئے آہستہ آواز میں بولا،

نہیں ساد یے ہے،انوشہ،اور یے عادل اینڈ یے ہے زوہیب، باقی اسے جانتے ہو گے،

عرفان نے پھر تیز آواز میں سب کا تعارف کرا کر آخر میں مس راج کے بارے میں کہا،

ہاں اسے میں جانتا ہوں،

ساد نے ہاں میں سر ہلا یہ،

یار ایک عرض ہے اسے علاج کی ضرورت ہے،اگر تم مدد کرو تو،

عرفان نے ساد کو دیکھتے ہوئے عادل کے بارے میں کہا،

ہاں ہاں میں تم دونوں کو ہسپتال لے کر چلتا ہوں،

ہیر اور زاہد تم دونوں باقی مہمانوں کو لے کر چلو،،

ساد۔۔ہیر اور زاہد کو بولتے عادل اور عرفان کو ہسپتال کی طرف روانہ ہو گیا،

وہ تینوں جیسے کمرے داخل ہوئے، تو مشینوں کی بیپ کی آواز سنائی دی،،

ساد بھاگا تھا، ایک جانب جب اس کی نظر تڑپتی آریا پر پڑی تھی، عرفان کو بھی دیر نا لگی تھی،

اور وہ بھی، بھاگا تھا،

آریا، آریا، یہ یہ کیا ہو گیا، آریا، عرفان بھاگ کر وہاں پہنچا، اور نہ آؤ دیکھا نہ تاؤ، سیدھا

آریا کا چہرا اپنے ہاتھوں میں لیا تھا،

آریا کی دھڑکنیں دھیرے ہوتی جا رہیں تھی،

حیدر کی آنکھوں میں آنسو بہہ رہے تھے،

ساد کے چہرے کی بھی ہوائیں اڑ گئی تھی،

عماد اور کچھ اس کے آدمی آریا کو ٹھیک کرنے کی کوشش میں تھے، مگر اس کی دھڑکنیں

آہستہ آہستہ کم ہوتی جا رہی تھی، اچانک آریا کا وجود بلکل خاموش ہو گیا، اور مشین نے بیپ

کی آواز چینج کر کے، اب صرف یییییییی کی آواز آ رہیں تھی، اس کی دھڑکنیں بالکل

دھیمی ہو گئی تھی، جیسے وہ اب بس موت کو گلے لگانے والی ہو،۔۔

نہیں آریا نہیں تم مجھے ایسے چھوڑ کے نہیں جا سکتی، عرفان اب رونا شروع ہو گیا تھا،

سادوہیں زمین پر بیٹھ گیا تھا،اس کے دماغ میں بس یہی چل رہا تھا،(یے میں نے کیا کر دیا، اسی بہن کو مار دیا، جس کی حفاظت کے وعدے کئے تھے، میں خود سے اسے نہیں بچا پایا، تو زمانے سے کیا بچاؤں گا،

میں اتنا کمزور بن گیا، جو اپنی بہن کی زندگی ختم کرنے لگا، یا خدا ایک بار اسے زندگی دے دے، چاہے وہ میری ہی زندگی کیوں نہ دو۔۔ مگر اسے جینے کا حق ہے، آپ میری عمر میری بہن کو دے دیں،)سادکی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے تھے اور دل رونے لگا تھا،

خدا سے دعا مانگو، اگر اسے زندہ دیکھنا چاہتے ہو، یہاں رونے سے کچھ نہیں ہو گا،

عماد نے چلا کر ان سب کو کہا تھا،

یار سنبھالو خود کو، عادل نے عرفان کو سنبھالنے کی کوشش کی تھی۔۔

اب آریا کا جسم ٹھنڈا پڑنے لگا تھا،

مونیٹر اب لائن سیدھی دکھا رہا تھا۔۔

ڈیفبریلیٹر کو ریڈو کرو۔۔ عماد نے ڈیفبریلیٹر کو ریڈو کروا کر آریا کے وجود پر جھٹکے لگانا شروع کر دیے تھے۔۔

پہلے جھٹکے پر آریا کا جسم ہلکہ سہ اچھلا بیڈ سے مگر کوئی رسپانس نہیں۔

پھر دوسرا جھٹکا۔

پھر تیسرا۔۔

اور

مونیٹر کی لائنیں پھر سے چلنا شروع ہو گئی تھیں۔۔

یا خدا۔۔ عماد نے کچھ راحت کی سانس لی

عماد نے پھر ایک انجکشن لگایا تھا آریا کو، خدا پر سب کچھ چھوڑ کر، جیسے وہ کوئی معجزہ مانگ رہا ہو،

اور اس کمرے میں صرف عرفان کے رونے کی آواز آ رہی تھی،

نہر ہمیشہ کہ طرح اپنا سفر جاری رکھے ہوئے تھی،

مگر سورج نے اپنا سفر ختم کر چکا تھا،

اور ہوا جس کی کوئی منزل نہیں تھی، وہ آج بھی منزل کی تلاش میں بھٹک رہی تھی، اور درختوں کے پتوں کو گرا رہی تھی،

اندھیرا اب چھانے لگا تھا،

انوشہ تمھارا پہلا قدم بہت اچھا تھا،

زوہیب نے انوشہ کا ہاتھ پکڑ کے بولا تھا، لہجہ بلکل سنجیدہ تھا

انوشہ نے حیرت سے دیکھا اسے۔۔

کون سا قدم زوہیب،

وہ سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی، کہ کس کی بات ہو رہی ہے۔۔

یے زندگی ہے، اور ہم انسان ہیں انوشہ، ہم اکثر فیصلہ کرنے میں دیر کر دیتے ہیں، کسی کو چاہنا ہو۔۔

چاہے وہ کسی کو جاننا ہو، چاہے کسی دشمن کو مارنا ہو، یا پھر کسی اپنے کو بچانا ہو، کبھی کوئی ایسا انسان نہیں ہوتا جو ہمیں سمجھائے کہ جو راستہ کانٹوں سے بھرا ہے، وہاں ہمیں کیوں نہیں جانا چاہیے؟، وہ وجہ نہیں بتاتے انوشہ، یا جو راستہ کھلا ہوتا ہے، وہ کیوں سہی ہے، کیا؟، وہاں ہمارا کوئی رہبر بیٹھا ہوتا ہے،؟

انوشہ اس کی بات سن رہی تھی، مگر پھر بھی بات نہ سمجھ نہ آنے پے وہ بولی،

زوہیب یے بات گھما پھرا کر کیوں بول رہے ہو، جو بات ہے وہ صاف صاف بولو،

زوہیب انوشہ کی بات پر مسکریا،

میں عادل سے بس ایک سال بڑا ہوں۔ پر وہ سمجھتا ہے ہم عمر ہے۔، پر اس کی زندگی کے بارے میں جو جانتا ہوں، وہ کوئی اور نہیں جانتا،

آج جنگل میں جو میں نے دیکھا، تم کیسے پریشان ہو رہی تھی اس کے لیے، یے اچھی بات ہے، کسی کے لیے پریشان ہونا، میں تمھارے لیے بہت خوش ہوا،

یانی تم اسے چاہنے لگی ہو۔۔ وہ مسکرا کر بولا۔۔

پر وہ ہم ہی تھے، جو اپنی جان کے بدلے اس کے جان کا سودا کر کے ائے تھے،

پہلے جو انوشہ حیران ہوئی تھی، پھر شرمندہ بھی ہوئی۔۔ مگر اس کی اگلی بات پر انوشہ سوچنے پر مجبور ہو گئی تھی

مگر اس کا ایک سچ ہے جو میں تمہیں بتانا چاہتا ہوں،

کہ عادل میرے بابا کی وہ غلطی ہے، جو اس نے جوانی میں کی تھی،

کیا مطلب، انوشہ کو تو حیرت کا جھٹکا لگا تھا، وہ یقین نہیں کر پا رہی تھی،

تم ایک اچھا ہمسفر ڈیزرو کرتی ہو،

میں تمھارا دوست ہوں، تم مجھے اچھی لگتی ہو، اس لیے بول رہا ہوں، کہ تم ایک ایسے انسان کے ساتھ زندگی گزارنا چاہو گی، جو ناجائز ہو، جو اس دنیا میں ہی ایک غلطی کی وجہ سے آیا ہو،

میں تمھارا بھلا چاہتا ہوں، زوہیب اپنا کام کر رہا تھا۔۔

وہ جیسے جیسے بول رہا تھا، ویسے ویسے انوشہ کے دماغ میں عادل کے وجود کہ لیے، اور نفرت جاگ رہی تھی،

اب فیصلہ تمھارا ہے، انوشہ "اور زندگی بھی،

میں نے کبھی اس کی ماں کو نہیں دیکھا تھا، وہ کوئی بد کردار ہی ہو گی نا، جو بن بیاہی ماں بن بیٹھی،

پلیز زوہیب مجھے اور کچھ نہیں جاننا، وہ غصے سے بولی تھی،

ٹھیک ہے انوشہ میں آگے نہیں بولتا، ٹیک کیئر، وہ وہاں سے اٹھا تھا۔۔۔عادل انوشہ تو تمھاری کبھی نہیں ہو گی۔۔زوہیب آگے بڑھتے ہوئے مسکرا کر بولا تھا۔۔اور پھر اس شہر کی گلیوں میں گھومنے چلا گیا۔۔

انوشہ سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی،

اگلے کے دل میں محبت جگانے میں صدیاں لگ جاتی ہیں پر نفرت کو دل میں جگانے کہ لیے ایک لفظ ہی کافی ہوتا ہے،انوشہ اس کا جیتا جاگتا مثال بن چکی تھی،

کیونکہ وہ عادل سے نفرت کرنے لگی تھی پھر سے،شاید وہ اب سوچنا بھی نہیں چاہتی تھی عادل کے بارے میں،زوہیب کو چاہتا تھا۔۔۔وہ ہو رہا تھا۔

پر شاید وہ نہیں جانتے تھے

۔عادل کون ہے ؟۔۔ہاں عادل سچ میں ایک ناجائز ہے ؟

کیا ہوا تم پریشان ہو،

ہیر وہاں انوشہ کو دیکھ کر آئی تھی،اور اس کا اترا چہرا دیکھ کر مسکراتے بولی،

نہیں کچھ بھی تو نہیں ہوا،

انوشہ عادل کے خیال کو جھٹکتے ہوئے مسکرا کر بولی،

یار کچھ بھی کہو پر مجھے تم بلکل آریا کی طرح لگتی ہو،ہیر نے یے بات بولی ہی تھی،

مگر انوشہ اچھل کے کھڑی ہو گئی تھی،

مجھے یہاں کے سردار سے ملنا ہے،

انوشہ ہیر کو دیکھتے بولی تھی،

ہیر کی مسکراہٹ تھم گئی،

ملی تو تھی صبح، ہیر اب چہرے پر سنجیدگی سجائے بولی تھی،

اگر مجھے سے نہیں ملوانا تو ٹھیک ہے، پر میرا ایک پیغام دو کہ، زاویان کی بیٹی آئی ہے اس سے ملنے، وہ خود چلا آئے گا یہاں، انوشہ ہیر کے چہرے کی تاثر دیکھتے ہوئے بولی۔۔

ہیر ایک پل کے لیے سوچا پھر ہاں میں سر ہلاتے وہاں سے چلی گئی تھی،

کچھ دیر بعد

ہیر کا رخ ہسپتال کی طرف تھا، جہاں حیدر ریحا اور آریا تھی، ہیر کو کچھ عجیب محسوس ہونے لگا، جیسے نہروان کی گلیوں میں اس کا کوئی پیچھا کر رہا ہو،

ہیر نے مڑ کر دیکھا، مگر وہاں کوئی نہیں تھا،

ہیر کو شک ہوا مگر وہ آگے کو چلی گئی، وہ ایک گھر کے باہر رکی جہاں تین کمروں پر مشتمل ہسپتال تھا، جس میں ایک روم سیکریٹ تھا،

ہیر نے دروازا کھولا پھر اپنے آس پاس دیکھا، اسے کوئی دیکھنے میں نہ آیا،

تو وہ دروازا کھولتے اندر کی طرف چلی گئی، پیچھے ایک گھر کی آڑ میں چھپا سایہ باہر آیا،

اس نے اپنے ہاتھ پر ہاتھ مارا جیسے وہ خود سے غصہ ہو،

ہیر دروازا بند کر کے ایک کمرے میں گئی پر وہاں کی حالت دیکھ کے وہ گھبرا گئی، سادینچے بیٹھا تھا، حیدر منہ پر ہاتھ رکھے، رو رہا تھا، عرفان آریا کو جھنجھوڑ رہا تھا، جسے عادل عرفان کو آریا سے دور کرنے کی کوشش کر رہا تھی،

عماد منہ پر ہاتھ رکھے پریشان تھا،

نہیں نہیں یے نہیں ہو سکتا، وہ بھاگی تھی، آریا کی طرف، آریا کیا کر رہی ہو، آریا آریا جلدی اٹھو، دیکھو مذاق کا وقت نہیں ہے،

آریاااا، ہیر زور سے چیخی اور آریا کو جھنجھوڑا تھا،

ہیر کی چیخ پر ریحا جو پر سکون نیند سو رہی تھی، وہ اٹھی اور ماحول سمجھنے کی کوشش کرنے لگی،

حیدر جو اسی کے سامنے کھڑا تھا،اس کا ہاتھ پکڑ کے پوچھنے لگی،

حیدر نے ریحا کو سینے سے لگایا تھا،اور روتے ہوئے بولا تھا،

ہماری آریا،،وہ لرزتے آواز میں کہتا رو دیا تھا،

ریحا کچھ نہیں بولی تھی، مگر وہ بھی رونے لگی تھی،خاموشی سے،

آریا اٹھو یے ناٹک مت کرو، ہمیں اور مت تڑپاؤ،اٹھو آریا،ہیر آرضی غصے سے آریا کو جھنجھوڑتے بولی،

مشینیں جو بلکل خاموش ہو گئیں تھی، پھر سے وہ خاموشی کو توڑ کر آواز کرنے لگیں تھی،

عماد حیرت سے دیکھتے پھر آریا کی طرف بھاگا تھا،،

ہیر جو اسے جھنجھوڑ رہی تھی،اس کی سانسیں چلتی دیکھ گلے لگ گئی تھی آریا سے،

اچانک سب نے خدا کا شکر کیا تھا،

عرفان عادل سے گلے لگ گیا تھا،

یار میری آریا۔۔ عرفان عادل کو زور سے گلے لگ گیا تھا

اور سادخوشی کے آنسو بہانے لگا تھا،اور ہاتھ اٹھا کر خدا کا شکر کرنے لگا تھا،

حیدر نے آگے آکر آریا کا ہاتھ پکڑ لیا تھا،

آریا جو پہلے ان سے روٹھ کے جا رہی تھی، اب شاید اسے تھوڑا سہ ان پر رحم آ گیا تھا،

آپ لوگ پلیز یہاں سے جایئے، عماد نے سب کو جانے کا بولا،

ایک لڑکے نے جو عماد کا ہی شاگرد تھا، اس نے عادل کے سر پر دوا لگا کر پٹی باندھ دی تھی،

سب کے جانے کے بعد اس کمرے میں مشینوں نے خاموشی کو اس کمرے پر قبضہ کرنے نہیں دیا تھا،

اب رات کی سیاہی تھی، مگر ان سب کے دلوں میں ایک نئی کرن نکلی تھی۔ امید کی، جینے کی، آگے بڑھنے کی،

چاند نے اپنی روشنی پھیلانی شروع کر دی تھی، جیسے اس کو بھی، ان سب پر ترس آ رہا ہو،

اور ٹھنڈ اپنی عروج پر تھی،

اس شہر میں کسی کے دل میں نفرت کسی کے دل میں پیار تو کسی کے دل میں شرمندگی پچھتاوا تھا،

نیا سال کیا لانے والا تھا ان کی لیے، شاید وہ اس کے لیے تیار نہیں تھے، وہ کمزور تھے سب۔۔ کیونکہ وہ ظالم تھے، اور ظالم کبھی طاقتور نہیں ہوتا،

صبح کا وقت،

اس نے زور سے گلاس پھینکا تھا جیسے وہ خود سے غصہ ہو،اور ہاں وہ خود سے غصہ تھی،

وہ گلاس سو ٹکڑوں میں ٹوٹ کر بکھر گیا تھا۔

ان لوگوں نے مجھے ایک اکیلی لڑکی پر پیچھے سے وار کیا تھا،اس سے پتا چلتا ہے کہ ،وہ بزدل ہیں،وہ کمزور ہیں،ان میں ہمت نہیں ہے، کسی کا سامنا کرنے کی۔۔

تو تم لوگ کس کا انتظار کر رہے ہو،

سارا غصے سے چلائی تھی،

سامنے نواز بیٹھا تھا،اور دوسری کرسی پر الظاہر بیٹھا تھا،

سارا میں تمھارے غصے کو سمجھتا ہوں،پر ہمارے اچھے آدمی کل مارے گئے ہیں، ہمیں پھر سے مسٹر خان سے بات کرنی پڑے گی،

اور اس سے آدمی مانگنے پڑینگے،

اس میں کم سے کم ہفتہ لگ سکتا ہے یا شاید اس سے زیادہ، الظاہر نے نرم لہجے میں کہا تھا،

کیا، کیا مسئلہ ہے، وہ ہمارے گھر آ کر مار کر جا رہیں ہیں اور ہم ہیں کے چھپے بیٹھے ہیں،

سارا کا بس نہیں رہا تھا کہ وہ ان سب کو موت کے گھاٹ اتار دے

فکر مت کرو، دیکھنا ہم ان کی ایسی حالت کرینگے، انہیں تڑپا تڑپا کر ماریں گے، ایک ایک سانس ان کو عذاب لگے گی، یے میرا وعدہ ہے، اور تم ان کو خود مارنا جس نے تم پر حملہ کیا تھا،

تو تم لوگوں کا کیا منصوبہ ہے، سارا نے اب کی بار بیٹھتے ہوئے سخت لہجے میں بولی تھی،

کوئی خاص نہیں بس نئے سال کی مبارکباد دینے جائیں گے مگر تھوڑا دیر سے جیسے، وہ سب کچھ نارمل سمجھے، ۔نواز نے مسکراتے ہوئے اپنا منصوبہ بتایا،

کیا بکواس منصوبہ بنانے لگے ہو،

وہ وہاں سے اٹھی اور چلی گئی تھی،

پھر تھوڑی دیر بعد ایک اور شخص وہاں آیا تھا،

اس کے چہرے پر غصہ تھا،

کیا بکواس ٹیم رکھی تھی، تم لوگوں نے،

تم لوگ ایک لڑکی کو یہاں نہ رکھ سکے،

آرش نے غصے سے مٹھیاں بند کر کے بولا،

اے لڑکے اپنی آواز نیچی رکھو، ہم تمھارے غلام نہیں، آج کے بعد ہماری شان میں گستاخی مت کرنا،

الظاہر غصے سے اٹھتے ہوئے بولا تھا،

میں نے تمھارے کہنے پر اپنے چاچا کے بیٹے کو مارا، اپنے ہی کزن سے غداری کی اور تمھاری شان میں یے گستاخی ہے؟،، مجھے تمھارا یے طریقہ پسند نہیں آیا،

آرش کے دماغ اب ٹھکانے پر آیا تھا کہ وہ کونسی بڑی غلطی کر بیٹھا تھا،

میں نے کہا کے اپنی آواز نیچی رکھو، الظاہر نے اسے گھونسہ مارا اور غصے سے بولا تھا،

آرش نیچے جا گرا، اور اس کے ناک سے خون بہنے لگا تھا،،

میں نے تمھارے لیے اپنوں کو دھوکا دیا، آرش اب روتے بولا تھا،

اے لڑکے اب یے رونا دھونا یہاں نہیں چلے گا،

یہاں سے نکلو اور چلتے بنو، ورنہ ہمیں تم سے زیادہ اچھے سے دھوکا دینا آتا ہے،،

عادل نے انوشہ کو خاموش دیکھا، وہ رات سے ہی ایسا موڈ بنا کے بیٹھی تھی، مگر عادل نے انوشہ سے بات نہیں کی،

تھوڑی دیر بعد عرفان وہاں آیا تھا، وہ کھویا ہوا تھا، جیسے کسی دکھ میں ڈوبا ہو،

عرفان اب وہ ٹھیک ہے اللہ کرے گا، وہ بلکل ٹھیک ہو جائے گی، ٹینشن نا لو، عادل نے اسے دلاسہ دیا تھا، انوشہ نے عادل کو دیکھا تھا، اس کا لہجہ کتنا میٹھا تھا،، مگر اس کے اندر کی نفرت اس لہجے کو بھی گھناؤنہ بنا رہی تھے،

انوشہ تمہیں بلایہ گیا ہے، ہیر کہتے پھر واپس مڑی تھی،

انوشہ کہاں جا رہی ہو؟ عادل نے آخر کار اس سے پوچھا، انوشہ جو پہلے مسکرا کر اٹھی تھی، پھر۔ مسکراہٹ غائب کرتے تلخ لہجے میں بولی،

میری مرضی جہاں بھی جاؤں تمہیں کوئی حق نہیں پوچھنے ما، وہ غصے سے دیکھتے وہاں سے چلی گئی تھی ہیر کے پیچھے،

کچھ دیر چلنے کہ بعد وہ ایک کمرے میں پہنچی، یے وہی کمرا تھا، جہاں آریا زیرے علاج تھی،

حیدر نے ہیر کو دیکھا، آریا کا بھی ہاتھ پکڑے بیٹھا تھا،
کیونکہ کہ عماد کا کہنا تھا کہ، وہ اب ٹھیک ہو رہی ہے، اور وہ ہوش میں آسکتی ہے،

حیدر انکل یہی وہ لڑکی ہے جس نے کہا کہ وہ زاویان کی بیٹی ہے،

انوشہ نے حیدر کو دیکھا وہ بلکل اس کے باپ کی طرح تھا، مگر اس سے خوبصورت، چہرے پر فکر اور درد کے آثار،

حیدر نے انوشہ کو حیرت اور مشکوک نظروں سے دیکھا،

میں کیسے مان لوں کہ تم میرے بھائی کی ہی بیٹی ہو،

انوشہ نے حیدر کے پاس جاتے،ہلکہ سہ گھبراتے آنکھوں میں نمی لیے،شاید شیری کافی ہو گا ثبوت کے طور پر،

انوشہ جا کے گلے لگی تھی حیدر سے،

حیدر نے بھی اس کے سر پر ہاتھ رکھا تھا،

بیٹا کافی ہے بس یے ثبوت،زاویان نہیں آیا کیا وہ اب بھی مجھ سے ناراض ہے،

حیدر نے انوشہ کو الگ کر اس کی نمی صاف کی تھی اور نرمی سے پوچھا تھا،

انوشہ کے آنکھو میں پھر سے آنسو آ گئے،

ابو کو گزرے 9 سال ہو چکے ہیں،،

وہ روتے ہوئے بولی تھی،حیدر کی آنکھوں میں بھی نمی چمکی مگر اس نے آنسو چھپائے اور

انوشہ پھر سے گلے لگ گئی تھی،

کوئی بات نہیں میں بھی تو تمھارا ابو ہوں،

انوشہ آنکھوں سے آنسو صاف کرتے ہاں میں سر ہلایا تھا،،اور پھر اس کی نظر بیڈ پر لیٹی

ایک لڑکی پر گئی تھی،وہ اس لڑکی کو بس دیکھتی رہ گئی،

یے کون ہے ابو،انوشہ نے حیدر سے آریا کے بارے میں پوچھا،

بیٹا یے آریا، میری بیٹی،، حیدر بولتے اس کی نظر انوشہ کے لاکٹ پر گئی تھی،

یے بیٹا تمھارے پاس کہاں سے آیا،

ابو یے بابا زاویان نے بنائی تھی، میرے لیے، اور کنزہ کے لیے،

بیٹا تمھارا مطلب، آریا بھی زاویان کی ہی بیٹی ہے، اور تم انوشہ ہو، حیدر حیرت اور خوشی کے ملے جلے تاثرات سے بولا تھا،

اور انوشہ نے ہاں میں سر ہلا کر حیدر کو جیسے زندگی اور آریا کا جواب دے دیا تھا،

پھر حیدر کے ہاتھ پر پکڑ مظبوط ہوئی،

آریا ہوش میں آرہی تھی،

آریا کے منہ پر آکسیجن کا ماسک لگا ہوا تھا،

آریا نے آنکھیں کھولی، حیدر کی جیسے صدیوں کی خواہش پوری ہونے جارہی تھی،

آریا کی آنکھیں کھلی تو پہلی نظر چھت کی طرف گئی، اور اس نے ہلکی سہ سر موڑا، تو اسے حیدر دیکھنے میں آیا

بابا،

آریا کے لبوں سے ہلکی آواز سے یے لفظ نکلے تھے،

ہیر بھی، خوشی سے پاس آئی تھی،

حیدر مسکراتے آریا کے چہرے پر بوسہ دینے لگا تھا،

اور آنکھوں آنسو تمھائے آریا کا چہرا چومے جا رہا تھا،

بابا، آریا کے ہونٹوں سے پھر بھی یہی لفظ نکلا تھا،

ہاں بیٹا میں یہاں ہوں، حیدر بھاری آواز میں بولا تھا،

بابا آپ کہاں تھے آپ ٹھیک ہیں۔۔ آریا نے حیدر کے ہاتھ پر پکڑ مظبوط کی۔اور ہلکی آواز میں بولی تھی

بیٹا میں یہاں تھا۔۔ حیدر نے مسکراتے آریا کے دل پے انگلی رکھی تھی۔۔۔

آریا ہلکی سی مسکرائی تھی،

میری گڑیا، یے حیدر قربان جائے اسی مسکراہٹ پر، اللہ کرے تو ایسے ہی مسکراتی رہے،،

آریا مجھے بھول گئی، ہیر نے آریا کو بولا، آریا نے نفی میں سر ہلایا، بولی کچھ نہیں

مجھے پتا تھا تم میری پکی دوست ہو، اور بھول بھی نہیں سکتی۔۔ ہیر شوخی انداز میں مسکراتے بولی

آریا بھی اس کی بات پے مسکرائی تھی،

بیٹا یے دیکھو کون آیا ہے،

حیدر نے انوشہ کی طرف اشارہ کیا تھا،

آریا ہیلو، میں انوشہ، مجھے تم سے ڈھیر ساری باتیں کرنی ہیں، مگر تم جب ان مشینوں سے آزاد ہو گی تب،،

اس بار بھی آریا نے صرف ہاں میں سر ہلایا تھا،

مگر پھر سے آریا کی آنکھیں بند ہونا شروع ہو گئی۔۔

آرام کی دوائیں وجہ سے اس کی آنکھیں پھر سے بند ہونے لگیں تھیں۔۔

مگر اب مشینیں اسے ٹھیک بتا رہی تھیں، عماد آیا تو ان کو مبارک باد دی،

حیدر نے گلے لگ گیا تھا عماد کو،

عماد تم نے ثابت کر دیا کہ تم ایک قابل ڈاکٹر ہو، ہم سب تمھارے قرض دار ہیں،

حیدر آنکھوں میں عماد کے لیے پیار سمائے بولا

سردار میرا فرض ہے اور کام بھی،، اپ میرا شکریہ کر کے مجھے شرمندہ مت کرو، عماد نے اسے مسکراتے بولا،،

سردار معافی چاہوں گا مگر اب آپ اسے اکیلا چھوڑ دیں اس کو آج کا دن آرام کرنے دو ، کیونکہ اسے آرام کی سخت ضرورت ہے، یے مینٹلی بھی ڈسٹرب ہے۔۔

عماد نے آریا کے بارے میں بتایہ،

اور وہ سب خوشی سے چلے گئے جب کہ آریا وہیں نیند کی وادیوں میں گم ہو گئی تھی،

آج کا سورج ان کے لیے ایک نئی امید لایا تھا،

"کہتے ہیں اس خدا سے،

"جو مانگو وہ ملتا ہے"

تیری بھی سنے گا وہ خدا،"

ان لوگوں نے خدا سے مانگا اور خدا نے ان پر نظرِ کرم فرمایا،

ایک سرد ہوا اس شہر پر اپنا پہرا دے رہی تھی۔۔

بادل آوارہ گردی کر رہے تھے۔۔ موسم بے ایمان تھا اس وقت۔۔

اب اسے کیا ہو گیا،

عرفان نے عادل کو دیکھتے ہوئے حیرت سے بولا،

اس کو ایسے دورے ہمیشہ پڑتے رہتے ہیں، میں اس کی باتیں دل پے نہیں لیتا، عادل جو خود

حیران تھا انوشہ کے بدلتے رویے پے، وہ ضبط کرتے بولا،

پھر وہ دونوں اٹھ کر نہر کنارے بیٹھ جاتے ہیں،

عادل بار بار پانی میں ہاتھ ڈبوتا اور کبھی تو پانی پی بھی لیتا

زاہد ہاتھ میں گن لیے ٹہلتا ہوا وہاں پہنچا تھا،

ارے واہ یار یے تمہیں کہاں سے ملی،،

عرفان اس کے ہاتھ میں رائفل دیکھ کے بولا تھا،

دبدبہ ہے اپنا، یے خاص ہتھیار صرف خاص لوگوں کو ہی دیا جاتا ہے، کیونکہ یے پرانی دنیا

کے ہتھیار ہے، اور بہت ہی قیمتی ہے، اور یہاں سارے شہر میں صرف میرے پاس

ہے، اور سردار کے پاس ہے،

زاہد سینہ چوڑا کر کے فخریہ انداز میں بولا،

جب میں کام کرتا تھا، تو میرا جو کمینہ باس تھا نہ اس کے پاس ایسے آٹھ دس ہتھیار تھے،

عادل نے بھی ان کی بات چیت میں حصہ لیا،

واہ یار تمھارا باس تو بہت قیمتی سامان کا شوقین ہے،

کون ہے تمھارا باس،

عرفان نے عادل کو دیکھتے پوچھا،

توبہ کرو اب میں وہ کام چھوڑ چکا ہوں، اس لیے میں اس کا نام نہیں لینا چاہتا،

عادل نے کہا،

نام بتاؤ

زاہد نے اب کی بار عادل کو دیکھتے ہوئے کہا،

الظاہر،

عادل کے منہ سے جیسے ہی وہ لفظ نکلا تھا، زاہد کے چہرے پر تاثرات بدلے چہرا سخت اور سنجیدہ ہو گیا۔۔اور اس نے رائفل کا رخ عادل کی طرف کر دیا تھا، عرفان کے چہرے پر بھی غصہ چھا گیا اس نام سے،

بتاؤ کیا تم بھی شامل تھے، میری بہن علینہ کو مارنے میں، کیا کیا تھا تم لوگوں نے اس کے ساتھ،

زاہد غصے سے چلا کر بولا تھا،

عرفان چپ اور حیران تھا، کہ اس کا دشمن اس کے پاس تھا، اس کے ساتھ گھومتا رہا مگر وہ اسے جان نہیں پایا،

میں تمھاری بہن کو کیوں کچھ کرونگا،، اور مجھے تمھاری بہن کا نہیں پتا،

عادل نے ناسمجھی سے ان کو دیکھا، اور ہاتھ اوپر کر کے بولا،

وہی لڑکی جس کی لاش 11 مہینے پہلے تم لوگوں نے جلا کر بھیجی تھی، اب یاد آیا کے میں کس کی بات کر رہا ہوں،

کیا قصور تھا اس کا ہاں،، اس پے تھوڑا رحم کرتے، اس کا چہرا تو چھوڑتے جو آخر بار ہم دیکھ پاتے،

زاہد روتے ہوئے کہا تھا، مگر رائفل کا رخ ابھی بھی عادل کے طرف تھا،

ہاں مجھے یاد ہے،، وہ لاش میں نے ہی جلائی تھی،

عادل نے قبول کیا،

عرفان حیرت اور صدمے سے اس کی طرف دیکھنے لگا تھا،

یے تم کیا کہ رہے ہو، تم انسان ہو کے جانور، ہو کون تم،

عرفان نے اسے دھکا دیا تھا،

کیوں کیا تھا یے سب،، عرفان تو ٹوٹ گیا تھا،

میرے باس نے کہا تھا، عادل نے وجہ بتائی،

زاہد کا اب ضبط ٹوٹنے لگا تھا،۔۔

کوئی آخری خواہش ہو تو بتاؤ، حالانکہ تم لائق تو نہیں ہو، زاہد نے اس کے سر پر رائفل کی نالی رکھی تھی،

تمھاری بہن نے ایک بات بتائی تھی، جو مجھے تم لوگوں کو بتانی ہے،

عادل نے اپنی بات شروع کی۔۔۔

زاہد اور عرفان نے ایک دوسرے کو دیکھا،

جلدی بول کمینے، زاہد نے اس کے سر پر رائفل کی نالی لگاتے بولا،

تمھاری بہن نے کہا تھا، کہ میرے بھائی اگر کہیں ملے تو اسے کہنا کے میں بلکل محفوظ ہوں،

عادل نے اپنے سر کو سہلاتے بولا، جہاں ابھی زاہد نے رائفل کی نالی ماری تھی۔۔

کیا بک رہے ہو، زاہد اور غصے میں آیا تھا، اور اسے پیچھے دھکا دیا تھا،

جب الظاہر اسے کیڈنیب کروا کے لایا تھا، تب میں وہی تھا،

تمھاری بہن کو میرے ہوالے کیا گیا تھا،،

اور جو الظاہر نے اس کے ساتھ کرنے کو بولا تھا مجھے، میری غیرت گوارہ نہیں کرتی کہ میں

اس کے ساتھ وہ سلوک کرتا،

میں نے سمرین کو ایک محفوظ جگہ پے بھیج دیا،

اب دیکھو مت اس نے مجھے یہی نام بتایا۔۔

پھر ایک مردہ بادی کو جلا کے تمھارے گھر بھجوائی جیسے اسے شک نا ہو، کہ وہ زندہ ہے ورنہ

میں اور تمھاری بہن دونوں مرتے،

وہ خطرے میں تھی، اس لیے میں نے اپنے انڈر رکھا اسے،

اور جب ہم اختر سے ملے، اور اس شہر کے بارے میں سنا تو میں نے اپنے آدمیوں کو بولا،

کے وہ اس کو یہیں لے ائے، میں نے اسے بچایہ،

یہی آخری خواہش تھی، کہ اسے بس اپنے بھائیوں سے ملائوں، میں نے اس کے ساتھ ایسا ویسا کچھ نہیں کیا، دو گھنٹوں کے اندر یہاں پہنچ جائے گی وہ خود دیکھ لینا۔۔

پھر اس کے سامنے مارنا مجھے۔۔اپنی دل کی بھڑاس نکال لینا۔"

عادل نے سچائی نہیں بجلی گرائی تھی، ان پر اور خوشی دی تھی انہیں،

ہم کیسے مان لے کہ وہ ہی ہماری بہن ہے۔۔ تم اپنے بچائو کی لیے بھی تو جھوٹ بول سکتے ہو۔۔۔زاہد چلایہ۔۔

یار کن لوگوں میں پھنس گیا۔۔عادل رونے والہ منہ بنا کے بولا۔۔۔اچھا مار دو پھر۔۔

عادل نے رائفل کی نالی اپنے سینے کی طرف کی۔۔

عرفان شوخی ہو کر عادل کو گلے لگایا تھا،

کیا سچ میں وہ زندا ہے، عرفان روہانسی ہو گیا تھا،

زاہد نے بھی ان دونوں کو گلے لگ گیا تھا،

اگر یے بات سچ ہے، تو میں تمھارا قیامت تک قرضدار رہوں گا، زاہد اس سے مسکرا کر بولا تھا،

پہلے مجھ سے معافی مانگو۔۔کیونکہ تم نے مجھے کمینہ کہا۔۔عادل نے زاہد کو دور کرتے آبرو آچکا کے بولا۔۔اور ایسا مت کہو،جب میں نے اس کا سر کپڑے سے ڈھکا تھا،نہ تو میں نے اسے اپنی بہن سمجھا تھا،وہ تمھاری نہیں میری بھی بہن ہے۔"

عادل ادب سے بولا تھا۔۔

یار تمھاری کوئی مثال نہیں،عرفان پھر سے گلے لگ کے پھر زاہد اور عرفان دونوں گیٹ کی طرف گئے تھے،کیونکہ وہ خود خوش آمدید کرنا چاہتے تھے،اپنی بہن کی،آخر ان کی چھوٹی بہن آنے والی تھی،

کچھ دیر بعد

وہ دونوں اس کے پاس بیٹھی تھی،

آج کل تم بہت خوبصورت ہوتی جارہی ہو، کیا بات ہے میری بہنا، اور مجھے یاد بھی نہیں کیا کہ میری ایک بہن بھی ہے،

مس راج نے آریا کے ہاتھ دیکھتے بولی،

جس پے آریا مسکرائی تھی،

ایسی کوئی بات نہیں جیسی تھی، ویسی ہی ہوں، بس حالات نے جکڑ لیا تھا۔۔

آریا نے مسکراتے ہوئے بولی تھی، ہیر جو آریا کے بال بنا رہی تھی، وہ بھی مسکرائی، اور نیچے جھک کر آریا کے رخسار پر پیار سے ایک جھپی دے کر بولی،

سچ میں آریا تم بہت خوبصورت ہو گئی ہو،،

آریا کو کس کے پکڑا تھا ہیر نے،

یار میں ایک کتاب لے کر آئی ہوں، پورانی دنیا کی،

مس راج نے ایک کتاب نکالا، اور اس کو کھولا،

مس راج نے اب پڑھنا شروع کر دیا تھا، تو سنو یے لطیفہ،

"پہلا دوست" یار سوچ رہا ہوں اپنا ایک جہاز لے لوں،

"دوسرا دوست" بات تو سہی ہے، پر تو اتنے پیسے کہاں سے لائے گا،

"پہلا دوست" (حیرت سے دیکھتے) سوچنے کے پیسے ہوتے ہیں؟،

اور تینوں کے قہقہے گونجے تھے کمرے میں،

یار یے کیا ہے ہیر ہنستی ہوئی بولی تھی،

کس بات پے ہنسے جا رہے ہو، ریحا پیچھے سے آتے مسکراتے بولی تھی، جو آریا کے لیے کھانا لینے گئی تھی،

آنٹی آپ بھی آجاؤ تھوڑی ہنسی ہو جائے،

مس راج نے پھر سے وہ لطیفے پڑھنا شروع ہو چکی تھی، ریحا آریا کو کھانا کھلانا بھی شروع کر چکی تھی،

وہ لطیفے پڑھتی، اور سارا کمرہ ہنسی سے گونج جاتا،

تبھی وہاں زاہد آیا تھا،، آریا کو ہوش میں دیکھ اسی کی طرف بڑھا۔۔

کیسی ہے طبیعت، زاہد نے آتے آریا کے پیروں کی طرف ایک بینچ پڑی تھی وہ وہی بیٹھتے بولا، آریا کی تھوڑی دیر کہ لیے ہنسی غائب ہوئی تھی، مگر پھر سے مسکرا کر ہاں میں سر ہلایہ،

پتا ہے آج میری بہن آرہی ہے،اس نے سب کو بتایا تھا،

اس کی بات پے ہیر آریا اور ریحا حیران ہوئی، کیونکہ ان سب کو بتایا تھا، کہ اس کی بہن مر چکی ہے،

زاہد تم مذاق کر رہے ہو؟۔ہیر اس بات کو مذاق سمجھتے مسکرا کر بولی،

نہیں باجی، سچی، زاہد نے ایک بار پھر یقین دلایہ،

پر تم نے تو کہا تھا کہ ،وہ مر چکی ہے،

ریحا نے حیرت سے کہا،

ہمیں بھی یہی لگا تھا پر،،

سامنے آتے عادل اور اس کے ساتھ ایک لڑکی کو دیکھ وہ رکا،

بہنا، وہ علینہ کی طرف بھاگا تھا،

بھائی، علینہ بھی اپنے بھائی کی طرف بھاگی اور اس کے گلے لگ گئی،،

میری بہن تم ٹھیک ہو، زاہد نے اس سر سے لے کر پائوں تک دیکھا، اور پھر سر پر بوسہ دیا تھا،

ہاں بھائی میں بلکل ٹھیک ہوں، اس نے سر ہاں میں ہلایہ،

علینہ ان سے ملو، یے ہے آریا، یے ہے ہیر اور یے ہے سردارنی ریحا،اور یے مس راج،

اور آپ سب کو تو پتا ہے یے ہے میری بہن علینہ

زاہد نے سب کا تعارف کرایا،اور پھر آخر میں مسکرا کر اپنی بہن کا بھی تعارف کروایا۔"

ہلو کیسے ہو آپ سب،

علینہ نے مسکرا کر سب سے حال چال پوچھا،

ریحا ہیر مس راج اور آریا ان کو دیکھ کے مسکرا رہی تھی،

عرفان بھی وہی آیا تھا،،اپنے بہن کے پیچھے،

مگر وہ خوش ہوا تھا، آریا کو دیکھ کر

آریا ابھی بھی مسکرا رہی تھی، آریا کی نظر عرفان پر ابھی نہیں پڑی تھی، تبھی اس کی لبوں پر

مسکراہٹ قائم تھی،

عرفان آہستہ آہستہ آریا کی طرف آیا تھا،

زاہد نے عرفان کو دیکھ لیا تھا،

آریا نے بھی عرفان کو دیکھا تھا، تبھی اس نے ہیر سے کہا تھا کہ اسے وہاں سے باہر کے

جائے،،

عرفان کو دھچکا لگا تھا، جب آریا نے اسے اگنور کیا تھا،، ہیر نے آریا کو سہارا دے کر اٹھایا تھا، اور اسے باہر لے جانے لگی تھی، پر پیر میں چوٹ ہونے کی وجہ سے وہ کھڑی نہیں ہو پا رہی تھی، عرفان آگے بڑھا تھا،

آریا کو گود میں اٹھایا تھا، سب ہی حیران تھے، علینہ حیرت سے اپنے بھائی کو دیکھ رہی تھی، زاہد کا بھی یہی حال تھا،

مجھے ابھی کے ابھی یہاں اتارو بد تمیز، آریا نے غصے سے کہا تھا، ہاں لڑکے تم کون ہو اتارو میری گڑیا کو۔۔ ریحا بھی غصہ ہوئی

مگر وہ ان کی بات کو در گذر کرتے ہوئے آگے بڑھا، ہیر اور مس راج ہنستی پیچھے چل دی تھی، جب ریحا بھی پیچھے گئی تھی،

یے کون ہے بھائی، علینہ نے مسکرا کے پوچھا تھا،

ہماری ہونے والی بھابھی شاید، زاہد بھی مسکرا کر شرارت سے بولا، اس بات پر علینہ ہنسی تھی۔"

جاہل انسان آگے سے مجھے یوں اٹھایا تو زندہ نہیں چھوڑوں گی، عرفان نے اسے جیسے ہی اتارا تھا، وہ غصے سے اس سے کہتی منہ پھیر چکی تھی،

آریا مجھے سے غلطی،،

عرفان نے جیسے ہی معافی مانگنی چاہی مگر آریا کا اگلا لفظ سن کے چپ ہو گیا،

مجھے کچھ نہیں سننا چلے جاؤ، شاید ابھی بھی بدلہ لینا باقی ہے، پر میں تمھاری نیت جانتی ہوں،

تو اب تمھارا یے پیار کا ڈھونگ نہیں چلے گا،

وہ عرفان کو کہتی، اور لڑکھڑاتے آگے چلنے لگی،

وہاں جو آریا کو جانتے تھے، وہ سب آریا کی طرف آئی،

ارے بیٹیا کیا ہوا، اور کہاں گم ہو گئیں تھی،

ایک تقریبن ستر سالہ عورت اس سے مسکرا کر حال چال پوچھا،

آریا ان کو دیکھ مسکرائی،

کہیں نہیں آنٹی بس آپ کی اسی بادشاہت میں گھوم رہی تھی، آریا نے مسکرا کر کہا،

کچھ اور عورتیں بھی تھی، وہ آریا کو ایک درخت کے پاس لے کر ایک چبوترے پر بٹھایا تھا،

اور وہ خود بھی بیٹھ گئیں تھی،

ارے بیٹا اگر ہماری بادشاہت ہوتی، تو ہم یہاں رہتے،

آپ کے شہر میں، وہ عورت بولی،

ارے آنٹی یے کیسی بات ہوئی، یے بھی تو آپ کا شہر ہے، آریا مسکراتے بولی تھی، اور شہر کو دیکھا تھا،

ٹھیک ہے بیٹیا اب ہم چلتے ہیں،

وہ اس سے مسکراتے ہوئے بولتی اٹھی تھی،

ٹھیک ہے، وہ وہاں سے چلی گئیں تھی،

آریا اس شہر کو دیکھ رہی تھی، کہ ایک لڑکی اس کے آگے آ کے کھڑی ہو گئی،

کیا میں تم سے گلے مل سکتی ہوں، سامنے والی لڑکی،

آنکھوں میں آنسو سمائے بولی تھی،

آریا حیرت سے اسے دیکھتے،

کیوں؟ آریا حیرت سے بولی تھی

وہ لڑکی آریا کی بات کا بنا جواب دیے گلے لگ گئی تھی، آریا حیرت میں پڑ گئی تھی،

بابا نے جتنا بولا تھا، تم اس سے بھی زیادہ خوبصورت ہو، انوشہ نے اس کو گلے لگا کے بولی تھی،

میں کچھ سمجھی نہیں تم کیا بول رہی ہو اور کیا بولا تھا تمھارے بابا نے، اور کون ہو تم، آریا حیرت سے اسے دیکھتے کئی سوال پوچھے،

میں انوشہ تمھاری بہن،

انوشہ کی بات ایسی تھی، جیسے آریا کے سر پے کسی نے بم پھوڑا ہو۔"

ہاں یے تو ہے، یہاں سب میری بہنیں ہیں۔ بس میں کسی کی نہیں ہوں، آریا مسکرا کر بولی، مگر وہ بات کو ابھی بھی نہیں سمجھی تھی،

ہاں وہ تو ہیں مگر تم میری سگی بہن ہو،

اب کی بار کچھ زیادہ جھٹکا لگا تھا، آریا کا چہرا اتر گیا، اس کے سامنے وہ ساری زندگی کی تلخیاں گھوم گئیں،

"اچھا تو میں تم سب اب یاد آئی، تب میرا خیال نہیں آیا تھا، جب جنگل میں تنہا کسی لاوارث کی طرح پڑی تھی،

تب یاد نہیں آئی جب مجھے طعنے دیئے جا رہے تھے، کہ تم ہمارا خون نہیں ہو، ہمارا رشتہ نہیں ہو،

تب یاد نہیں آئی جب مجھے سگی نہ ہونے کی وجہ سے سزا دی گئی،

ہاں شاید تم سب پر بھی بوجھ تھی میں،"

کیا ہوا آریا، انوشہ نے اسے دیکھا، جو کہ کب سے چپ بیٹھی تھی" وہ سب اس کے ذہن میں چلنے والی باتیں تھی، آریا مسکرا کر بولی،

پر میں لاوارث ہوں، انوشہ، میرا کوئی سگا نہیں،

آریا پلیز ایسا تو نا کہو، پتا ہے بابا نے مجھے بولا تھا، چاچا حیدر اور تمہیں میں ڈھونڈوں،

انوشہ اس کے ساتھ بیٹھ گئی تھی، اس کا ہاتھ پکڑ کر،

چاچا حیدر، آریا حیرت سے بولی،

مطلب بابا زاویان،، آریا کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے تھے، انوشہ نے ہاں میں سر ہلایا تھا،

کہاں ہے بابا، آریا نے انوشہ کو جھنجھوڑا،

انوشہ چپ ہو گئی،

بولو نہ ابو کہاں ہے میں بھی دنیا کو بتاؤں گی، دیکھو میرا بابا، دیکھو میری ماں دیکھو میری بہن

بتاؤ کہاں ہے وہ،، وہ آنکھوں میں آنسو سجائے بیٹھی انوشہ سے پوچھ رہی تھی،

وہ دونوں اب نہیں ہیں، اس دنیا میں، انوشہ گلے لگ گئی تھی آریا کے، آریا ایک بار پھر ٹوٹی تھی، پر تھوڑی دور کھڑا سا دجوان کی باتیں سن رہا تھا وہ بھی ٹوٹا تھا، اپنے چاچا کا سن کر اپنی بہن کی باتیں سن کر،

وہ دونوں باتیں کر ہی رہیں تھی، کہ عادل وہیں آیا،،

عادل نے انوشہ کو اگنور کرتے آریا سے بات کرنا شروع کی تھی، انوشہ کو حیرت ہوئی تھی، اور غصہ آیا تھا،

ہاں میڈم کیا حال ہے، عادل اس کے سائیڈ میں بیٹھتے ہوئے بولا تھا،

پہلی بات میں میڈم نہیں آریا ہوں، اور ہاں میں ٹھیک ہوں، آریا اسے گھورتے بولی تھی،

عادل مسکرا کر اسے دیکھنے لگا تھا،

یار جیسا بتایا تھا، ویسی ہی ہے تو، عادل نے آریا کی تعریف کی،

کس نے کہا اور کیا کہا، آریا نے حیرت سے کہا،

افف عرفان نے کہا تھا، کہ تم ایک قاتل حسینہ ہو،

حسینہ تو ہو پر قاتل ابھی تک نہیں، اور وہ تمھارا ڈائیلاگ، چلو اسے ختم کرتے ہیں، کیا بات ہے اس کی۔

عادل نے مسکرا کر دیکھتے بولا تھا،

تبھی ساد بھی وہیں آیا تھا، جو ان کی باتیں سن رہا تھا، بہت دیر سے،

نہیں ایسی کوئی بات نہیں، بات نہیں میں بس اپنا کام کرتی ہوں، کوئی ڈائیلاگ نہیں مارتی،

اور اگر تم نے چپ نہیں کیا تو، آریا بولتے بولتے رکی تھی، جب ساد پے اس کی نظر گئی، تو

اس کے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں تھیں، اچانک ڈر اس کی آنکھوں میں سما گیا،

اس نے انوشہ کا ہاتھ پکڑ لیا تھا، اور اس سے لپٹنے لگیں تھی،

کیا ہوا آریا، ساد نے اس کی حالت سمجھ کر پوچھا تھا۔"

کک.. کچھ نہیں وہ انوشہ سے لپٹتی جا رہی تھی۔"

انوشہ مجھے اندر لے چلو، آریا نے اپنے پیر کے زخم کا بغیر سوچے اٹھی تھی۔ مگر جھٹکے سے اٹھنے پر اس کے پیر سے خون نکل آیا تھا، اور آریا کے چہرے پر درد کی لہر دوڑ گئی،

آریا خون،

مجھے لے چلو اندر، اس بار انوشہ کی بات کاٹتے غصے سے بولی،

میں لے چلتا ہوں، ساد نے آگے بڑھ کر اسے سہارا دیا، مگر وہ چل ہی نہیں پا رہی تھی، آریا نے ساد کو کچھ بھی نہیں بولا تھا، مگر اسے کے طرف وہ دیکھ نہیں رہی تھی، ساد نے اسے گود میں اٹھایا تھا،

مجھے پتا ہے تم ناراض ہو مگر، میں ابھی بھی ہار نہیں مانوں گا،

ساد اسے اٹھائے اس کمرے میں لے گیا تھا،

)یے وہی پرانا آریا کا کمرا تھا، جہاں اب ایک دیوار پر آریا کی ایک ہنستی مسکراتی تصویر تھی، اس کا گٹار بھی دیوار سے لگا پڑا تھا، اور تلوار بھی وہی پڑی تھی آریا کی،(

جا کر آریا کو چارپائی پر لیٹایا تھا، اور دوا اٹھا کر پیر پر لگانے لگا۔"

مجھے پتا ہے کہ میں معافی کے لائق نہیں پر میں کوشش کروں گا کہ تمہیں پھر سے ناراض نا کرو۔"

اور پھر سے ہمارا رشتہ پہلے جیسا کرنے کی کوشش کروں،۔۔

ساد اس کے پیر کا زخم صاف کرتے بولا۔"

کوشش کرنے میں کوئی ہرج نہیں، کرتے رہو، پر یے بات کان کھول کر سن لو میری طرف سے ہمیشہ تم کو مایوسی ہی ملے گی،، کچھ پل کہ لیے آریا کی اس تلخ لہجے والی بات پر ساد کے ہاتھ رکے تھے، پر پھر سے وہ زخم پر دوا لگانے لگا تھا،

کوئی بات نہیں، شاید تمھاری تکلیف جتنی تکلیف نہیں ہو گی، پر میں محسوس کرنا چاہتا ہوں وہ درد، جو تم نے سہا۔۔

آریا میں تمہیں پھر سے ہنستہ مسکراتا دیکھنا چاہتا ہوں۔"ساد آنکھوں میں آریا کی ہنستی تصویر سوچتے بولا تھا،

یے بات سن کے آریا کے چہرے پر مسکراہٹ آئی تھی، ایک تلخ مسکراہٹ،

پتا ہے جس دن تم نے مجھے قیدی بنایا تھا، نا اس کے ایک دن پہلے میں اپنے ساتھی سے دھوکہ کھا کے آرہی تھی، جس نے مجھ سے محبت کے وعدے کر کے مجھ سے اپنے بھائی کا بدلہ لیا، اس نے مجھے بستر کی زینت بتایہ، ساد نے آنکھیں بند کر لیں تھی، آریا کی اس بات پر، اور مٹھیاں بھینچ لیں تھی غصے سے

،اس نے کہا کہ میں پیار کے لائق نہیں ہوں،اور اس نے یے بھی کہا،مجھے اپنی گندی شکل مت دیکھانا،

میرا دل ٹوٹ کر بکھر گیا تھا،آریا اب اٹھ کے بیٹھ گئی تھی،۔۔جب میں نے اس سے دھوکا کھاتو

میں نے سوچا کہ سادکیسا بھی تھا،وہ مجھ سے کوئی بدلا نہیں لیگا،مجھ پر تشدد نہیں کریگا،مجھے زخمی نہیں کریگا،جیسے اس نے کیا تھا،میں واپس آرہی تھی گھر،لیکن تم نے بھی ثابت کر دیا کہ،آریا تم ہمیشہ غلط سوچتی ہو،آریا نہیں ہو لائق ہمدردی کہ۔

اور اب بھی تم مجھ سے ہنسنے کی امید کرتے ہو کہ میں پرانے آریا کی طرح بنو،اب میں نے اپنوں اور غیروں سے سیکھا ہے،کہ ہر وقت کا ہنسنا برباد کر دیتا ہے،

آریا کی آنکھیں تر تھی،آنسور خسار سے بہ کے اس بستر پر جذب ہو گئے،

عرفان پیچھے کھڑا سب سن رہا تھا،

سادا ٹھا تھا،اور اس کے ساتھ بیٹھ گیا تھا،

آریا مجھے گمراہ کیا گیا تھا،یا میں خود ہو گیا تھا،

جب میں وہاں پہنچا جہاں ماں اور ابو پر حملہ ہوا تھا،

وہاں سے میں نے تم کو بھاگتے دیکھا تھا، تو میں سمجھا کہ۔"

کہ وہ میں ہوں، نہیں، میں کبھی پیٹھ نہیں دیکھاتی، میں مر جاتی مگر پیٹھ نہیں دیکھاتی،

سادا اپنی بات کر ہی رہا تھا، جب آریا بیچ سے اس کی بات کاٹتے اپنی بات بولی تھی،

اور پلیز مجھ سے معافی کی تو کوئی امید ہی نا رکھے کیونکہ جو زخم میں نے کھائے اور برداشت

کیے نا، بیان کرنے سے زیادہ ہے،، اور یہاں سے جاؤ مجھے اکیلا چھوڑ دو،

کاٹدار لہجے میں کہا تھا آریا نے،

اور اسے بھی کہو کے چلا جائے، ساد کو عرفان کے بارے میں کہ کے وہ لیٹ گئی تھی،

اور وہ دونوں اپنے آنسو پونچھتے چلے گئے تھے اس کمرے سے، جس کمرے میں اب صرف

خاموشی تھی،

"پیار کیا، اور چین گوایا۔"

"دل کو ایک بیدرد تبھایا۔"

"میری زندگی میں وہی درد لایا۔"

"ہر ایک شعر جس پر اپنا لٹایا۔"

ایک دن بعد نہروان

صبح کا وقت

آج نیا سال تھا، اور سب اپنی خوشی منا رہے تھے،

آریا کمرے سے باہر نہیں آئی تھی، اس کے علاوہ سب باہر نئے سال کی خوشیاں منا رہے تھے،

مگر ایک جگہ عادل تنہا بیٹھا تھا،

اسے ایک عجیب سا ڈر محسوس ہو رہا تھا،

اسے کچھ غلط ہونے کا خدشہ ہوا، مگر اسے ایک وہم سمجھ کر وہ بھی ان کے ساتھ اس نئے سال کی خوشیاں منانے چلا گیا، جہاں اب اسٹیج سجنے لگا تھا،

کچھ گیت کچھ شاعری اور کچھ خواب سنانے کہ لیے،

ایک لڑکی اس اسٹیج پر چڑھی، اس کے ہاتھ میں ایک کاغذ تھا،

یارو دوستو، بھائی اور بہنوں، میرا نام ہے مہر، اور میں نے ایک شعر سنا تھا، کسی سے، نام آخر میں بتاؤں گی۔۔ مگر وہ شعر بہت ہی دکھ بھرا تھا۔۔، میرے دل پے وہ شعر لگا تھا، اس وقت میں نے اسے کاغذ پر لکھ لیا تھا، پر میں اسے اس شعر کے الٹ لکھا ہے، پہلے میں اس کا شعر پڑھوں گی، کہ آپ سب کو پتا لگے کہ وہ کتنا کڑوا اور درد بھرا تھا، مہر کے سامنے حیدر بیٹھا تھا، اور ریحا، ساد عرفان، عادل انوشہ ہیر زوہیب، مس راج سب اس کو دیکھ کے مسکرا رہے تھے، اور ان کے پیچھے باقی لوگ

تو عرض کیا ہے،

میں وہ ہوں

جواب خواب نہیں دیکھتی

کیونکہ خوابوں کا خون

میرے ہاتھوں سے دھلا نہیں جاتا...

میں وہ ہوں

جسے اب موت بھی نہیں ڈراتی

کیونکہ زندگی کا ہر لمحہ

موت سے زیادہ بھیانک تھا...

میں وہ ہوں...

جسے کسی نے کبھی چاہا ہی نہیں

جسے صرف تب یاد رکھا گیا

جب کسی کو اپنا مطلب نکالنا تھا...

میں وہ ہوں

جواب صرف ایک دعا کرتی ہے:

"اے خدا...

اگر دوبارہ زندگی لکھنی ہو

تو صرف اتنا کرم کر...

کہ مجھے، مجھے مت لکھنا...

میں اب وہ نہیں

جو آئینے کے سامنے خواب دیکھا کرتی تھی

اب آئینہ بھی نظریں چرا لیتا ہے

کہیں اسے بھی

میرے اندر کی موت نظر نہ آجائے...

اب مجھے نہ عشق چاہیے

نہ میرے اپنے،

نہ خدا سے کوئی شکوہ

بس ایک خاموشی چاہیے

جو اتنی گہری ہو

کہ اس میں میرا وجود ہمیشہ کے لیے دفن ہو جائے...

اور اگر کہیں...

کہیں کوئی نئی زندگی لکھی جائے

تو میری التجا ہے...

خُدا سے، کاتبِ تقدیر سے...

"مجھے مت لکھنا...

نہ کسی کی بیٹی، نہ کسی کا پیار

نہ رشتہ، نہ یاد...

بس...

مجھے نہ لکھنا"...

وہ شعر سن کے سب کے چہرے پر واہ واہ کی گونج تھی،اور تالیوں کا شور، مہر مسکرا کر پھر سے بولی

اب میں نے جو لکھا ہے وہ شعر میں پیش کرو گی،

آپ میرے لیے بھی ایسے ہی تالیاں بجا دینا،

"تو بس سن لے"

میں جانتی ہوں

تُو روئی ہے، راتوں میں،

تکیہ بھیگا، دل تھکا،

اور آنکھوں کے نیچے وہ سائے

کسی داستان سے کم نہیں...

پر تُو جانتی ہے؟

تُو وہ لڑکی ہے جو مر کر بھی زندہ رہی،

جو ہر زخم پر چپ رہی،

جو ہر طوفان کے بعد خود کو سمیٹتی رہی،

تُو وہ ہے...

جو جلتے خوابوں کی راکھ سے

نئی آنکھیں اگا سکتی ہے۔

تو ہار گئی؟

نہیں...

تو تھک گئی ہے، بس

اور یہ تھکن، کمزوری نہیں...

یہ اس لڑکی کی دلیل ہے

جو تنہا، خاموشی میں بھی لڑتی رہی۔

تو سن...

اگر تُو کہے

تو میں تیرے سارے خواب اٹھالاؤں گی
جنہیں تو نے دفن کیا

میں وہ لمحے لادوں

جن میں تُو صرف مسکرائے

نہ بوجھ ہو، نہ رشتہ، نہ الزام...

بس تُو ہو،

اور تیرا سکون۔

میں خدا سے نہیں کہوں گی

کہ تجھے پھر سے لکھے

بلکہ یوں کہوں گی...

کہ تجھے وہ خود سے لکھے

ایسی طاقت سے، ایسی روشنی سے

کہ تُو پھر خود سے شرمندہ نہ ہو

بلکہ خود پر ناز کرے...

تو مت ٹوٹ،

کیونکہ تجھ جیسی لڑکیاں

دنیا بدلتی ہیں...

اور دنیا تجھے بھولنے کے لائق نہیں۔

تیرے لیے وہ سورج نکلے،

جو تمھارے لیے نئی زندگی لے آئے،

)ایم فرہان(

واہ کیا شعر کا جواب لکھا ہے،،اس بھیڑ میں سے ایک لڑکے نے بولا تھا،سب کی واہ واہ ہوئے تھی،

جو میں نے پہلا شعر پڑھا تھا،وہ شعر تھا،آریا کا،

میں نے اسے بھرپور طریقے سے سہارا دینے کی کوشش کی ہے،اگر وہ یہاں ہے تو،مجھے اپنی بہن سمجھ کر مجھ پر یقین کر سکتی ہے،شکریہ،وہ کہتی اتر گئی تھی

مگر اس کی یے بات وہاں،حیدر،ریحا،ساد،ہیر،عرفان اور سب پر کسی غم کی طرح ٹوٹا تھا،

وہ واقع تنہا تھی،وہ اکیلی تھی سب نے ہی اسے چھوڑ دیا تھا،سب نے ہی اسے درد دیا تھا،

وہ محفل چل ہی رہی تھی،کہ تبھی ایک آدمی اوپر دیوار سے گرا تھا،اس کے جسم میں تیر لگا تھا،

زاہد جلدی سے اٹھا تھا،مگر دروازا کھلا ہوا تھا،اور دشمن اندر آ چکے تھے،،

اور وہ دشمن زیادہ تھے،

حیدر آگے نکل کے آیا،اس کے پیچھے جو بھی جوان تھے، عورت چاہے مرد سب لڑنا جانتے تھے،،

نواز سامنے آیا تھا، حیدر کے ،اور ایک شیطانی مسکراہٹ دی تھی،

تم نے ہمارے ساتھ غداری کی، حیدر نے گرجتی آواز میں کہا تھا، لہجہ ایسا تھا کہ ،ایک پل کہ لیے نواز بھی ڈر گیا تھا،

اور اگلے پل دشمن کے لوگوں نے ان پر نشانہ بنایا۔۔

الظاہر سامنے آیا تھا،

اور ساتھ میں سارا تھی، ساداس کو دیکھ پہچان گیا تھا،،

وہ غصے میں آگے بڑھا تھا،،ایک گارڈ نے اس پے حملہ کرنا چاہا مگر وہ اس کے حملے سے بچتے اس کے گردن میں چاکو مار چکا تھا،

پھر اچانک اوپر سے تیر چلے تھے اور الظاہر کے ساتھیوں کے سینے کے آر پار ہونے لگے،

مگر اوپر جو تھے، وہ بہت کم تھے، مگر ان سب نے اپنی وفاداری ثابت کر دی تھی،

الظاہر کے آدھے سے زیادہ آدمی مر چکے تھے،

مگر وہ بھی ان کے تیروں کے نشانے پر آ گئے اور اپنی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھے،

اور پھر ساد عرفان حیدر ریحا ہیر عادل کے ہاتھ رسیوں سے باندھ دیے گئے،۔جب کے شہر کے لوگ اپنے گھروں کی طرف بھاگے تھے۔۔

نواز نے ایک کمرے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے،

وہاں وہ لڑکی ہے لے آئو اسے،

ایک آدمی وہاں گیا تھا،

ارے تم لوگوں نے تو کہا تھا، کہ یے بہت طاقتور ہیں، مگر یے تو بہت کمزور ہیں، سارا نے طنزیہ لہجے میں کہا تھا،

پتا ہے آج میں تمہیں کیسے ماروں گی،

وہ بول ہی رہی تھی۔کہ تبھی پیچھے سے اس کی طرف کسی چیز کے لڑھکنے کی آواز آئی، جیسے کوئی فٹ بال۔۔

سارا نے پیچھے مڑ کے دیکھا تو وہ اسی گارڈ کا سر تھا، جو اندر گیا تھا،

ہمت تم نے ہماری دیکھی کہاں ہے۔۔آریا اپنے تلوار لیے کھڑی تھی۔۔

تو بچ نہیں سکتی لڑکی، سارا نے چلایہ،

تو آئو پھر اسے ختم کرتے ہیں، آریا نے اپنا ڈائیلاگ مارا اور لڑکھڑاتے ہوئے آگے بڑھی،

اور ایک گارڈ کے پیر پر وار کر کے اس کو گھٹنوں کے بل لے ائی،

دیکھ تمھارے آدمی ایک زخمی لڑکی سے نہیں لڑ سکتے، آریا نے اس گارڈ کا ہاتھ روکتے

ہوئے بولی، جس میں چاکو تھا، جس سے وہ آریا پر حملہ کرنے لگا تھا مگر آریا نے وہ ہاتھ کاٹ

دیا تھا، جس سے وہ گارڈ چلانے لگا تھا،

کمینے چپ ہو جا، آریا نے، نواز سارا اور الظاہر کو دیکھتے ہوئے اس گارڈ سے کہا تھا،

میں نے کہا، چپ ہو جا، آریا نے اس بار تیز آواز میں کہا اور اس کے چہرے پر زور سے تلوار

کی پشت سے مارا،

جس سے وہ بیہوش ہو گیا،

سارا آریا کی طرف غصے سے آئی اور اسے مارنے کی کوشش کرنے لگی،

آریا نے اس کا مکے والا ہاتھ روکا اور زور سے اس کے چہرے پر حملہ کیا،

مگر اس سے پہلے سارا سمبھلتی، آریا نے اس پے لات سے وار کیا، اور وہ جا کے دور گری،،

مگر آریا کے پیر زخمی ہونے کی وجہ سے وہ بھی نیچے گری،،

آر یا دھیان سے، ساد نے چلا کر کہا تھا،، جب کہ عادل انوشہ زوہیب اسے حیرت سے دیکھ رہے تھے،،

زاہد کی بھی کچھ ایسی حالت تھی،

یے تو واقع قاتل حسینہ ہے، عادل کے لبوں پر یے بات آ ٹھہری،

تمھاری ہمت کیسے ہوئی، سار اپر ہاتھ اٹھانے، نواز غصے سے چلایا تھا اور چا کو نکال کر آر یا کے پیٹ پر وار کیا، آر یا اسے بس دیکھتی رہ گئی، تلوار ہاتھ سے چھوٹ کر زمین پر گری،

نہیں،،، ساد اور عرفان چلائے تھے،، اور ان لوگوں نے دیوانا وار رسیوں کو توڑنے کی کوشش کی تھی،

مگر پھر ہار کر بیٹھ گئے اور رونے لگے تھے،،

آر یاااااس کو چا کو مارتے اور آر یا کی بے بسی دیکھ کے انوشہ بھاگی مگر ایک گارڈ نے اسے روکا تھا، وہ روتی بیٹھ گئی تھی،

پھر وہاں خاموشی چھا گئی تھی، اور وہاں ایک وجود گرا تھا نیچے،

اور پھر ہر طرف خاموشی،۔

NovelHiNovel.Com
OnlineWebChannel.Com

Novel Hi Novel & Online Web Channel

السلام علیکم !

ناول ہی ناول" اور "آن لائن ویب چینل آپ کے لیے لایا ایک سنہری موقع

اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ اپنے قلم کی آواز کو لوگوں تک پہچانا چاہتے ہیں، تو اپنی لکھی گئی کوئی بھی تحریر (حمد، نعت، ناول، افسانہ، آرٹیکل، ریسیپی، نظم، غزل، اقوال) یا جو بھی آپ کے ذہن میں ہو اور آپ لکھنا چاہتے ہیں، ہم تک پہچائیں۔ ناول ہی ناول" اور "آن لائن ویب چینل بنے گا وہ سیڑھی جو آپ کو آپ کی پسندیدہ ویب سائیٹ تک پہنچانے کا ذریعہ بنے گا۔ اگر آپ اپنی تحریریں ناول ہی ناول" اور "آن لائن ویب چینل کی ویب سائیٹ میں دینا چاہتے ہیں تو رابطہ کریں۔ ناول ہی ناول" اور "آن لائن ویب چینل آپ کو آپ کے عین مطابق پلیٹ فارم مہیا کر رہا ہے تو جلدی سے قلم اٹھائیں اور لکھ ڈالیں جو آپ کے ذہن میں مرکوز ہے۔ شکریہ !

اپنی تحریریں ہمیں اس پتہ پر ارسال کریں۔

NovelHiNovel.Com & OnlineWebChannel.Com

NovelHiNovel & OWC Official

NovelHiNovel@Gmail.Com

OnlineWebChannel @Gmail.Com

03155734959

ختم شُد

اگلا ناول صرف "ناول ہی ناول" اور "آن لائن ویب چینل" پر

NovelHiNovel.Com

OnlineWebChannel.Com

Novel Hi Novel & Online Web Channel

السلام علیکم !

ناول ہی ناول" اور "آن لائن ویب چینل آپ کے لیے لایا ایک سنہری موقع

اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ اپنے قلم کی آواز کو لوگوں تک پہچانا چاہتے ہیں، تو اپنی لکھی گئی کوئی بھی تحریر (حمد، نعت، ناول، افسانہ، آرٹیکل، ریسیپی، نظم، غزل، اقوال) یا جو بھی آپ کے ذہن میں ہو اور آپ لکھنا چاہتے ہیں، ہم تک پہچائیں۔ ناول ہی ناول" اور "آن لائن ویب چینل بنے گا وہ سیڑھی جو آپ کو آپ کی پسندیدہ ویب سائیٹ تک پہنچانے کا ذریعہ بنے گا۔ اگر آپ اپنی تحریریں ناول ہی ناول" اور "آن لائن ویب چینل کی ویب سائیٹ میں دینا چاہتے ہیں تو رابطہ کریں۔ ناول ہی ناول" اور "آن لائن ویب چینل آپ کو آپ کے عین مطابق پلیٹ فارم مہیا کر رہا ہے تو جلدی سے قلم اٹھائیں اور لکھ ڈالیں جو آپ کے ذہن میں مرکوز ہے۔ شکریہ !

اپنی تحریریں ہمیں اس پتہ پر ارسال کریں۔

NovelHiNovel.Com & OnlineWebChannel.Com

NovelHiNovel & OWC Official

NovelHiNovel@Gmail.Com

OnlineWebChannel @Gmail.Com

03155734959